مجازی خدا

محمد اعظم خان

مجازی خدا...... محمد اعظم خان

دانش گھر لیٹ پہنچا تھا‘ اس کی بیوی فریال منہ پھلائے غصے میں بھری بیٹھی تھی‘ ایسا پہلی بار نہیں ہوا تھا‘ وہ جب بھی کبھی کسی وجہ سے دفتر سے گھر آنے میں لیٹ ہو جاتا‘ اسے فریال کی جلی کٹی سننا پڑتی تھیں‘ دانش ہر بار اپنی صفائی میں لاکھ وضاحتیں پیش کرتا لیکن وہ ایک بھی نہیں سنتی تھی اور آخر کار تھک ہار کر دانش کو ہی خاموش ہونا پڑتا تھا۔

دانش بیوی کے چبھتے ہوئے سوالوں کا جواب دینے کے لیے پہلے سے ہی تیار تھا‘ اس نے جیسے ہی گھر میں قدم رکھا‘ فریال کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔

’’لگتا ہے گھر آنے کو تمہارا دل نہیں کرتا۔‘‘

’’ایسی تو کوئی بات نہیں‘ آفس سے آتے ہوئے تھوڑی بہت دیر تو ہو ہی جاتی ہے۔‘‘ دانش نے ڈرتے ڈرتے بات کی تھی۔

’’یہ تھوڑی سی دیر ہے؟‘‘ پورے تین گھنٹے لیٹ آئے ہو۔‘‘ فریال نے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا تھا۔

’’مجھے دیر سے آنے کا کوئی شوق تو نہیں‘ بس ہو جاتی ہے۔‘‘

’’اب یہ مت کہنا کہ آفس میں ہی تھا۔ میں وہاں فون کر چکی ہوں اور تم وہاں نہیں تھے۔‘‘

’’میں نے یہ تو نہیں کہا کہ میں آفس میں تھا۔‘‘

’’تمہارا کیا ہے۔ جھوٹ ہی بولنا ہے ناں۔ کچھ بھی کہہ سکتے ہو۔‘‘

’’بات کو خوامخواہ بڑھایا نہ کرو۔‘‘

’’تم موقع ہی کیوں دیتے ہو؟‘‘ آفس سے سیدھے گھر آجایا کرو‘ تو میرا دماغ خراب نہیں کہ میں تمہیں کچھ کہوں۔‘‘

’’اچھا اب بس بھی کرو۔ کھانا لاؤ بہت بھوک لگی ہے۔‘‘

’’جہاں گئے تھے‘ انہوں نے کھانا نہیں دیا؟‘‘ فریال نے ایک اور تیر پھینکا۔

’’گھر میں بیٹھے تمہیں باتیں بنانا آتی ہیں‘ یہ نہیں سوچنا کہ تھکا ہارا شوہر گھر آیا ہے کوئی چائے پانی کا ہی پوچھ لوں۔‘‘

’’آفس میں جو تیر مار کر تم آتے ہو‘ وہ مجھے معلوم ہے‘ کوئی نئی بات کرو۔‘‘

’’باتیں کرنا بہت آسان ہے‘ چار دن آفس جانا پڑ جائے تو لگ پتہ جائے۔‘‘

’’ہاں ہاں‘ گھر میں تو جیسے کوئی کام ہی نہیں ہوتا‘ سارے کام تو دفتر جانے والے مرد ہی کرتے ہیں‘ گھروں میں عورتیں تو سارا دن فارغ ہی بیٹھی رہتی ہیں۔‘‘

’’اس میں شک بھی کیا ہے؟‘‘ دانش نے بے پروائی سے بات کی تھی مگر فریال چڑ گئی اور بولی۔

’’چلو ایسی ہی بات ہے تو تم گھر سنبھالو اور میں کہیں سروس کر لیتی ہوں۔‘‘

’’یہ شوق بھی پورا کر کے دیکھ لو‘ خود ہی عقل ٹھکانے آجائے گی اور روز روز کی چک چک بھی ختم ہو جائے گی۔‘‘

دانش کا خیال تھا کہ اس طرح کی باتیں تو آئے روز اس کے آفس سے لیٹ آنے پر ہو ہی جایا کرتی تھیں‘ آج بھی ایسا ہی ہوگا‘ کچھ ہی دیر بعد یہ بات ختم ہو جائے گی‘ لیکن ایسا نہیں ہوا تھا‘ فریال‘ عمر اور علی کو ساتھ لیے اپنے کمرے میں چلی گئی تھی اور دانش وہیں بیٹھا رہ گیا تھا‘ اس کا خیال تھا کہ ابھی تھوڑی ہی دیر میں فریال بچوں کو کمرے میں چھوڑ کر اس کے پاس چلی آئے گی‘ وہ دیر تک ٹی وی لاؤنج میں بیٹھا ٹی وی دیکھتا رہا مگر وہ نہیں آئی تھی۔

اسے زوروں کی بھوک لگی ہوئی تھی‘ اس لیے کوئی بھی پروگرام اچھا نہیں لگ رہا تھا‘ کھانا نہ کھانے کی وجہ سے اس کے سر میں بھی درد محسوس ہونے لگا تھا‘ فریال کے آنے کے بھی کوئی آثار نظر نہیں آرہے تھے اس لیے وہ خاموشی سے اٹھا اور کچن میں گھس گیا تاکہ کچھ پیٹ پوجا کر سکے‘ سالن پکا ہوا تھا اور ہاٹ پاٹ میں روٹی بھی پڑی تھی‘ اس نے پلیٹ میں سالن ڈالا اور روٹی لے کر ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ کر کھانا کھانے لگا‘ وہ جیسے جیسے کھانا کھاتا گیا اس کے سر کا درد خود بخود ٹھیک ہوتا گیا۔

کھانا کھانے کے بعد وہ کچھ دیر تک وہیں بیٹھا بے دلی سے ٹیلی وژن دیکھتا رہا‘ اس نے بہت سے چینل تبدیل کیے تھے لیکن اسے کوئی بھی پروگرام اچھا نہیں لگ رہا تھا‘ کچھ دیر تک وہ یونہی چینل بدلتا رہا‘ مگر نہ اسے کوئی چینل اچھا لگا اور نہ ہی فریال ہی وہاں آئی‘ آخر کار اس

نے ٹی وی بند کر دیا' اس کا خیال تھا کہ فریال کمرے میں بیٹھی اس کا انتظار کر رہی ہوگی' مگر اسے سخت مایوسی ہوئی تھی' کیونکہ وہ دونوں بچوں کو ساتھ لٹائے سکون سے سو رہی تھی' اس نے خاموشی سے کپڑے تبدیل کیے اور کمرے کی لائٹس آف کر کے سو گیا۔

وہ صبح اٹھا تو تمام کام معمول کے مطابق ہو رہے تھے' وہ آفس جانے کے لیے تیار ہو کر ٹی وی لاؤنج میں آ بیٹھا تھا' عمر ناشتے سے فارغ ہو کر اسکول کے لیے نکلا تو روز کی طرح فریال اسے خدا حافظ کہنے کے لیے دروازے تک گئی تھی' پھر واپس آ کر علی کو ناشتہ کروانے لگی' اس دوران وہاں مکمل خاموشی چھائی رہی' علی کو ناشتہ کروانے کے بعد فریال کچن میں گئی اور ناشتہ لا کر دانش کے سامنے رکھنے کے بعد پھر سے کچن میں چلی گئی تھی۔

دانش نے خاموشی سے ناشتہ کیا اور آفس جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا' یہ روز کا معمول تھا کہ جب وہ دفتر جانے کے لیے گھر سے نکلنے لگتا تو اسے خدا حافظ کہنے کے لیے فریال دروازے تک ضرور آتی تھی اور اس کا ایسا کرنا دانش کو بہت اچھا لگتا تھا' اس روز وہ آفس جانے کے لیے نکلنے لگا تو فریال اسے خدا حافظ کہنے کے لیے وہاں آنے کی بجائے مسلسل اپنے کاموں میں مصروف تھی۔

دانش نے یہ سوچ کر کہ فریال کو شاید اس بات کا علم نہیں کہ میں آفس کے لیے نکلنے لگا ہوں' اونچی آواز میں ''خدا حافظ۔'' کہا تھا' وہ جانتا تھا کہ فریال نے اس کی آواز ضرور سن لی ہوگی' مگر پھر بھی ادھر سے کوئی جواب نہیں آیا تھا۔

سنو۔'' باہر نکلتے ہوئے فریال کی آواز دانش کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔

فریال کی آواز سن کر وہ وہیں رک گیا تھا' فریال کچن سے نکل کر اسی کی طرف آ رہی تھی' اسے آتے دیکھ کر دانش سوچنے لگا تھا کہ فریال ہمیشہ کی طرح تمام شکوے بھلا کر روز کی طرح اسے خدا حافظ کہنے کے لیے آ رہی تھی۔

''میں نے کل رات جو بات کی تھی' اسے دھمکی مت سمجھنا۔ اب میں تمہیں جاب کر کے دکھاؤں گی۔'' فریال نے قریب آتے ہی دو ٹوک بات کی تھی۔

دانش اس وقت اس طرح کی کسی بھی بات کا جواب دینے کے لیے تیار نہ تھا' اس لیے گڑبڑا گیا' پھر ایک لمبی سانس چھوڑتے ہوئے بولا ''اور گھر کا کیا بنے گا؟''

''گھر تم سنبھالو گے...... ذرا تمہیں بھی تو پتہ چلے کہ گھر چلانا اتنا بھی آسان نہیں ہوتا جتنا تم سمجھتے ہو۔''

''یہ صبح ہی صبح تم کون سی باتیں لے بیٹھی ہو؟'' ویسے بھی ایسی باتیں دروازے میں کھڑے ہو کر نہیں کی جاتیں' فی الحال مجھے آفس سے دیر ہو رہی ہے۔ شام کو سکون سے بیٹھ کر اس سلسلے میں بات کریں گے۔'' دانش نے فریال کو سمجھایا۔

دانش کی بات سن کر فریال نے کوئی جواب نہ دیا اور دانش اسے خدا حافظ کہتا ہوا وہاں سے نکل گیا۔

......☆☆☆......

وہ آفس پہنچ کر بظاہر اپنے کاموں میں لگ گیا تھا مگر اس کا ذہن فریال کی باتوں میں الجھ کر رہ گیا تھا' آفس سے گھر لیٹ پہنچنے پر وہ دونوں میاں بیوی کئی بار آپس میں الجھے تھے لیکن کبھی بات یہاں تک نہیں پہنچی تھی' اگر کسی روز بحث زیادہ طویل ہو بھی جاتی تھی تو پھر بھی صبح ہونے تک وہ دونوں ہی بات بھلا چکے ہوتے تھے' نہ پھر کبھی فریال اس بات کو دہراتی تھی اور نہ ہی دانش کبھی اس بات کو پھر چھیڑتا تھا۔

کبھی کبھی انسان کچھ باتیں دوسروں سے چھپانا چاہتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ باتیں چہرے پہ لکھی ہوئی صاف پڑھ لی جاتی ہیں' آفس میں شاہد' دانش کے بہت قریب تھا اور اس نے دانش کے چہرے پر لکھی ہوئی ساری پریشانی پڑھ لی تھی' گو کہ دانش نے کبھی اپنی کوئی بات شاہد سے نہیں چھپائی تھی لیکن اس نے جان بوجھ کر یہ بات اس سے چھپا لی تھی' کیونکہ وہ جانتا تھا کہ فریال نے غصے میں کچھ تلخ باتیں کہہ تو دی تھیں مگر وہ ایسا نہیں کرے گی۔

''کچھ پریشان لگ رہے ہو؟'' شاہد نے لنچ کے دوران دانش سے دریافت کیا۔

''نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں......'' دانش نے ٹالنے کی کوشش کی۔

''تم اپنی باتیں مجھ سے کب سے چھپانے لگے ہو؟''

''میں نے آج تک تم سے اپنی کوئی بات نہیں چھپائی۔''

''کل تک واقعی نہیں چھپائی تھی' مگر آج خوامخواہ چھپانے کی کوشش کر رہے ہو' جبکہ ساری کہانی تمہارے چہرے پر لکھی ہوئی صاف دکھائی

دے رہی ہے مگر تم نہ بتاؤ تو یہ اور بات ہے۔''
شاہد کی بات سن کر دانش نے گردن جھکا دی اور سوچنے لگا کہ وہ کسی بھی طرح بات کو ٹال دے یا تمام تر باتیں بیان کر ڈالے اس طرح ہو سکتا ہے اگر فریال کوئی قدم اٹھاتی بھی ہے تو وہ کوئی مشورہ دے سکے۔
''تم صحیح کہہ رہے ہو۔'' دانش نے بات شروع کی ''دراصل میں سوچ رہا تھا کہ شاید یہ بات آگے نہ ہی بڑھے تو اچھا ہے' بس اسی وجہ سے تم سے ذکر نہیں کر رہا تھا' ورنہ تم تو جانتے ہی ہو کہ میں نے واقعی کبھی کوئی بات تم سے نہیں چھپائی۔''
''اچھا ان باتوں کو چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ اصل معاملہ کیا ہے؟''
شاہد کی بات سن کر دانش نے ایک لمبی سانس چھوڑی اور افسردہ لہجے میں بولا ''میں جب بھی آفس سے تھوڑا سا لیٹ گھر پہنچتا تھا تو گھر میں تمہاری بھابھی طوفان کھڑا کر دیتی تھی' اس کے بعد ایک دو دن گھر میں بدمزگی سی رہتی پھر آہستہ آہستہ حالات معمول پر آ جاتے' مگر اب تمہاری بھابھی کہتی ہے کہ میں اس سے جھوٹ بولتا ہوں' اس لیے اب وہ خود جاب کرے گی اور مجھے گھر سنبھالنے کو کہہ رہی ہے۔''
''تو اس میں پریشانی والی کون سی بات ہے؟''
''کمال ہے یار! میری جان پہ بنی ہوئی ہے اور تم کہہ رہے ہو پریشانی والی کوئی بات ہی نہیں۔''
''ریلیکس مائی ڈیر ریلیکس...... میں نے کہا ناں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں' بھابھی جاب کرنا چاہتی ہے تو کر لینے دو۔''
''لیکن پھر میرا کیا بنے گا؟''
''تم پہلے اسے جاب تو ڈھونڈنے دو' پھر دیکھیں گے۔'' دانش کی جان پہ بنی ہوئی تھی اور شاہد نے کس قدر سکون سے کہہ دیا تھا کہ اسے جاب ڈھونڈنے دو۔

......☆☆☆......

دانش کا خیال تھا کہ فریال دن بھر اپنی کہی ہوئی باتوں کے متعلق سوچ کر پچھتا رہی ہوگی اور جب وہ گھر پہنچے گا تو ہمیشہ کی طرح چہرے پر مسکراہٹ سجائے وہ اسے خوش آمدید کہے گی' لیکن وہ گھر پہنچا تو ایسا کچھ بھی نہیں تھا' فریال اسے اسی طرح کھنچی کھنچی دکھائی دی' خوش آمدید کہنا تو دور کی بات تھی' اس نے اس کے آنے کا کوئی نوٹس ہی نہیں لیا تھا۔
اسے آفس سے آئے شام سے رات ہو گئی تھی لیکن فریال نے اس سے کوئی بات نہیں کی تھی' وہ جب سے آفس سے آیا تھا فریال اس کی موجودگی کی پروا کیے بغیر بچوں کے ساتھ ہی بات کر رہی تھی' وہ پاس پاس بیٹھے ٹیلی وژن دیکھ رہے تھے' اچانک فریال کی آواز دانش کے کانوں میں پڑی۔
''میں نے آج اپنی جاننے والی کچھ لڑکیوں سے بات کی تھی۔''
دانش نے فریال کی طرف دیکھا تو وہ علی کے کپڑے تبدیل کر رہی تھی اور اس کی طرف دیکھے بغیر اس سے بات کر رہی تھی۔
''میں نے آج ہی کچھ آفسز میں درخواستیں بھی بھجوا دی ہیں۔ کل ایک دو جگہ اور بھیج دوں گی۔ امید ہے کہیں نہ کہیں جاب مل جائے گی۔ تم اپنی جاب چھوڑنے کے لیے تیار رہنا' پھر نہ کہنا کہ مجھے بتایا نہیں۔''
دانش نے سوچا تھا کہ وہ جیسے تیسے ممکن ہوا فریال کو منا لے گا' لیکن جیسے ہی اسے فریال کے رویے کا علم ہوا' وہ ایک دم بھڑک اٹھا' مگر وہ بچوں کے سامنے چیخ کر اپنے غصے کا اظہار نہیں کرنا چاہتا تھا' اس لیے آہستہ سے بولا۔
''اب میں بھی تمہیں نہیں روکوں گا۔ تم میری طرف سے بالکل بے فکر رہو' جیسے ہی تمہیں کوئی جاب ملے گی' میں اپنی سروس چھوڑ دوں گا' اس طرح سے مجھے کچھ نہیں ہونے والا...... لیکن تمہاری عقل ضرور ٹھکانے آ جائے گی۔'' بات کرتے ہی دانش وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے کمرے میں جا لیٹا۔
کچھ دن اسی طرح وہ دونوں ایک دوسرے سے کھچے کھچے رہے' ابھی زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ فریال کو ایک اچھے ادارے میں جاب مل گئی' اپائنٹمنٹ لیٹر اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ دانش کو یہ لیٹر دکھانے کے لیے اس کی منتظر تھی' دانش ابھی آفس سے آ کر بیٹھا ہی تھا کہ فریال نے اپنی سروس ملنے کا پروانہ اس کے ہاتھ میں تھما دیا اور بولی۔
''یہ دیکھ کر تسلی کر لو کہ مجھے تم سے بھی اچھی جاب مل گئی ہے اور یقیناً تنخواہ بھی تم سے کم نہیں۔''

''لیکن یہ مجھے کیوں دکھا رہی ہو' بس ٹھیک ہے جاب مل گئی ہے تو اپنا شوق پورا کرلو' کچھ ہی دنوں میں نانی یاد نہ آ گئی تو پھر کہنا۔''

''اور جب تم گھر سنبھالو گے تو تمہیں صرف نانی ہی نہیں دادی بھی یاد آ جائے گی۔''

''یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ کسے کون یاد آتا ہے۔'' دانش نے غصے سے بات کی اور اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

اسے اٹھتے دیکھ کر فریال فوراً بول پڑی ''میں ایک آدھ دن میں ہی وہاں جوائن کرنا چاہتی ہوں۔ تم اپنے آفس کا تمام حساب کتاب کلیئر کر لینا۔''

دانش نے فریال کی بات سن لی تھی مگر وہ رکے بغیر اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھ گیا۔

فریال آفس جانے کا فیصلہ کر چکی تھی' اس لیے دانش نے بھی اپنے آپ کو گھر میں رہ کر گھر داری سنبھالنے کے لیے ذہنی طور پر تیار کر لیا تھا' پہلے پہل وہ فریال کی باتوں سے چڑ جایا کرتا تھا' مگر اب اسے عجیب سی خوشی محسوس ہونے لگی تھی' اس نے اپنے قریبی دوست شاہد کے ساتھ باہمی مشورے سے ایک ماہ کے لیے آفس سے چھٹی لے لی تھی اور اب بے چینی سے اس دن کا انتظار کرنے لگا تھا جب وہ دونوں آپس میں ذمہ داریوں کا تبادلہ کرنے والے تھے' ان دونوں کے درمیان ہونے والی آخری گرما گرم بحث کو کئی روز گزر گئے تھے' اس لیے رفتہ رفتہ ان میں آنے والے تناؤ میں بھی کافی حد تک کمی آ گئی تھی۔

آخر کار وہ دن بھی آ پہنچا' جب دونوں نے ایک دوسرے کے فرائض سنبھال لیے' اس سے ایک روز قبل رات کو سونے سے پہلے ہی انہوں نے ازراہِ ہمدردی ایک دوسرے کو ضروری ہدایات دے دی تھیں۔

......☆☆☆......

فریال کے آفس جانے کا پہلا دن تھا' اس لیے اس نے بہت صبح ہی بستر چھوڑ دیا تھا' گو کہ وہ اس سے قبل بھی سب سے پہلے اٹھا کرتی تھی لیکن اس روز وہ بہت جلدی اٹھ گئی تھی' اٹھتے ہی اس نے سب سے پہلے معمول کے تمام کام نمٹائے' پھر عمر کو روانہ کرنے کے بعد ناشتہ کیا اور پھر اپنی تیاری میں لگ گئی۔

فریال آفس جانے کے لیے گھر سے پہلی بار نکلنے لگی تھی' اسے آفس جانے کی خوشی تو تھی ہی مگر اس سے کہیں زیادہ خوشی اس بات کی تھی کہ وہ اب ہر صبح اچھے کپڑے پہن کر خوب اچھی طرح تیار ہوا کرے گی' وہ گھر سے نکلنے لگی تو خوب میک اپ کر رکھا تھا' دانش اسے سمجھانا چاہتا تھا کہ وہ کسی فنکشن میں نہیں اپنے آفس جا رہی ہے' اور آفسز میں اس طرح تیار ہو کر نہیں جایا جاتا' مگر وہ یہ سوچ کر خاموش رہا کہ خوامخواہ بد مزگی نہ ہو جائے' اس نے مسکرا کر فریال کو خدا حافظ کہا اور واپس ٹی وی لاؤنج میں آ کر ٹی وی لگا کر بیٹھ گیا۔

ٹیلی وژن پر اس کا پسندیدہ پروگرام لگا ہوا تھا' وہ فریال کی موجودگی میں ہی ناشتہ کر چکا تھا' اس لیے وہ اس طرف سے بھی بے فکر تھا اور اسے ٹی وی کے پروگرام دیکھنے کا بہت مزا آ رہا تھا' ٹیلی وژن پر لگنے والے پروگرام اس قدر دلچسپ تھے کہ اسے وقت گزرنے کا احساس نہ ہوا' اچانک علی اس کے پاس آ کھڑا ہوا تو اس کی نظر دیوار پر لگی گھڑی پر پڑ گئی' تب اسے احساس ہوا کہ وقت کس قدر تیزی سے گزر گیا تھا' عمر کے اسکول سے آنے کا وقت ہونے والا تھا' فریال سالن پکا کر رکھ گئی تھی' اس نے جلدی سے اٹھ کر سالن گرم کیا اور علی کو ٹی وی کے سامنے بٹھا کر تندور سے روٹی لینے چلا گیا۔

عمر کے اسکول سے آنے سے پہلے وہ روٹی لے کر واپس گھر آ چکا تھا' تھوڑی ہی دیر بعد عمر بھی آ گیا تھا' پھر ان تینوں نے مل کر کھانا کھایا' کھانا کھانے کے بعد وہ تینوں ٹیلی وژن دیکھنے لگے' تھوڑی ہی دیر بعد علی صوفے پر بیٹھا سو گیا' دانش نے علی کو گود میں اٹھا لیا اور اسے بیڈ پر لٹا دیا' کھانا کھانے کے بعد دانش کو بھی غنودگی محسوس ہو رہی تھی' اس لیے وہ بھی علی کے پاس ہی لیٹ گیا تھا۔

دانش کی آنکھ کھلی تو عمر بھی اس کے پاس ہی لیٹا سو رہا تھا' فریال کے آفس سے آنے کا وقت ہو رہا تھا' اس نے جلدی سے منہ ہاتھ دھویا اور ٹی وی لاؤنج میں آ بیٹھا۔

فریال جب صبح گھر سے نکلی تو بہت خوش تھی' وہ یہ سوچ کر جھوم رہی تھی کہ اب وہ ہر روز اپنی پسند کے کپڑے اور جیولری پہنا کرے گی' اور خوب میک اپ بھی کیا کرے گی' ورنہ اس سے پہلے تو کبھی کبھار کسی دعوت کے موقع پر ہی اس طرح کا موقعہ ملا کرتا تھا' گھر سے نکلتے ہی اسے ویگن مل گئی تھی اور اسے کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا' اسی لیے وہ آفس ٹائم سے کچھ دیر پہلے ہی پہنچ گئی تھی۔

''رات کو سوئی بھی تھی کہ نہیں؟'' فریال کی دوست زارا نے اسے اس سے بھی پہلے آئے ہوئے بیٹھے دیکھ کر آتے ہی سوال کیا۔

''نہیں یار ابھی تھوڑی ہی دیر پہلے آ کر بیٹھی ہوں۔'' فریال نے مسکراتے ہوئے بات کی۔
''ہوتا ہے...... ہوتا ہے...... شروع شروع میں ایسا ہی ہوتا ہے' پھر آہستہ آہستہ سب تیزیاں ختم ہو جاتی ہیں۔'' زارا نے بات کی' پھر فریال کو غور سے دیکھتے ہوئے بولی۔ ''اور یہ تم آفس میں آئی ہو یا کسی پارٹی میں؟''
''کیوں کیا ہوا؟'' فریال نے حیران ہو کر دریافت کیا۔
''جانو' جس طرح کا میک اپ تم نے کر رکھا ہے' اس طرح کا میک اپ پارٹیز میں تو چلتا ہے' آفس میں نہیں...... آفس میں سادگی چلتی ہے یا پھر ہلکی پھلکی سی لپ اسٹک بھی چل جاتی ہے۔''
''پھر اب میں کیا کروں؟''
''شکر کرو ابھی تم میرے پاس بیٹھی ہو اور آفس کے اور لوگوں کی نظر تم پر نہیں پڑی ورنہ پہلے ہی دن تم اچھا خاصا نشانہ بن جاتی' فی الحال تم واش روم میں جا کر اچھی طرح سے اپنا منہ دھو لو اور آئندہ احتیاط کرنا۔''

زارا کے سمجھانے پر فریال نے واش روم میں جا کر میک اپ اتار دیا تھا اور وہ مزید پیاری لگنے لگی تھی' گھر میں سارا دن تنہا بیٹھے وہ بور ہو جایا کرتی تھی' اب آفس میں کولیگز کے ساتھ کام کے ساتھ گپ شپ بھی ہو رہی تھی' جس کی وجہ سے بہت مزا آ رہا تھا' آفس میں پہلا ہی دن اس قدر اچھا گزرا تھا کہ جب وہ چھٹی کے وقت آفس سے باہر نکلی تو کسی قسم کی تھکاوٹ محسوس کرنے کے بجائے وہ خود کو فریش محسوس کر رہی تھی' ایک عرصے کے بعد اس نے گھر کے گھٹن زدہ ماحول سے باہر دن گزارا تھا' وہ گھر پہنچی تو اسی طرح تازہ دم تھی جس طرح وہ صبح آفس کے لیے گھر سے نکلی تھی۔

فریال گھر میں داخل ہوئی تو اندر دھواں بھرا ہوا تھا' دانش کچن میں کھڑا شام کے لیے کھانا تیار کرنے کی کوشش کر رہا تھا' دانش نے فریال کو کئی بار کھانا پکاتے ہوئے دیکھا تھا' اس کا خیال تھا کہ سالن تیار کرنا کون سا مشکل کام ہے' وہ فریال کے آنے سے پہلے کھانا تیار کر لینا چاہتا تھا' مگر کھانا پکانے کا تجربہ نہ ہونے کی وجہ سے اسے کافی وقت لگ گیا تھا' یہی وجہ تھی کہ جب فریال گھر پہنچی تو وہ ابھی تک کھانا تیار کرنے میں لگا ہوا تھا۔

دھواں' دانش کی آنکھوں میں بھی پڑ رہا تھا' لیکن وہ کھانا پکانے میں اس قدر مصروف تھا کہ اس طرف اس کا دھیان بھی نہ گیا' فریال نے کوئی بات کرنے سے پہلے ایگزاسٹ فین چلا دیا تھا تاکہ کچن کا سارا دھواں باہر نکل جائے۔
''آفس میں کیسا دن گزرا؟'' دانش نے پتیلی میں چمچہ چلاتے ہوئے دریافت کیا۔

فریال' دانش کے پاس ہی آ کھڑی ہوئی تھی اور اسے کھانا تیار کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی' اس نے دانش کی بات سنی تو مسکراتے ہوئے بولی۔
''سچ پوچھو تو آفس میں بہت مزا آیا' سبھی کولیگز بہت اچھے طریقے سے پیش آئے۔'' فریال سانس لینے کے لیے رکی اور پھر بولی ''تم سناؤ تمہارا گھر میں کیسا دن گزرا؟'' کوئی مشکل تو پیش نہیں آئی؟''
''مشکل کیا پیش آنی تھی' بڑے مزے سے دن گزرا' سچ پوچھو تو دن گزرنے کا پتہ بھی نہیں چلا۔''
''چلو شکر ہے' ورنہ میں سوچ رہی تھی' بچوں نے کہیں تمہیں تنگ نہ کیا ہو...... یا کہیں علی نے پریشان نہ کیا ہو۔''
''تنگ کرنا تو ایک طرف' انہوں نے تو ایک بار بھی یہ تک نہیں پوچھا کہ ماما کہاں ہے؟''
''چلو میری یہ پریشانی تو دور ہوئی۔ اب میں سکون سے جاب کر سکوں گی۔''

دانش نے سالن تیار کر لیا تھا' پھر اس نے چولہا بند کیا اور وہ دونوں ٹی وی لاؤنج میں آ گئے' فریال نے صبح گھر سے نکلتے وقت جو میک اپ کر رکھا تھا وہ اب نہیں تھا' وہ جان چکا تھا کہ جو بات وہ نہیں کر پایا تھا' وہ آفس میں کسی نے کر دی تھی' اسی لیے تو اس کے چہرے پر میک اپ کا کوئی نشان نہیں تھا۔

کچھ دیر تک فریال دانش کے پاس بیٹھی باتیں کرتی رہی پھر بچوں کو دیکھنے بیڈ روم میں ان کے پاس چلی گئی جو ابھی تک سو رہے تھے' وہ کمرے میں داخل ہوئی تو دونوں بچے ابھی تک سو رہے تھے' فریال کو ان پر بہت پیار آیا' اس نے تھوڑا سا جھک کر ان دونوں کے گالوں پر پیار کیا' پھر ان کے پاس ہی بیٹھ کر ان کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگی۔

وہ کچھ دیر تک بچوں کے پاس بیٹھی انہیں ممتا بھری نظروں سے دیکھتی رہی پھر واش روم میں چلی گئی' وہ واش روم سے باہر آئی تو دونوں بھائی اٹھ گئے تھے' ان دونوں نے ہی دن بھر ماں کو نہیں دیکھا تھا' جیسے ہی ان کی نظر ماں پر پڑی وہ اس سے چمٹ گئے' فریال نے ان دونوں کو پیار کیا اور انہیں ساتھ لیے ٹی وی لاؤنج میں آ گئی' دانش کا خیال تھا کہ سالن تو اس نے تیار کر لیا تھا' اب فریال اٹھے گی اور روٹی پکا لے گی' وہ دیر تک اسی انتظار میں بیٹھا رہا کہ شاید فریال اب اٹھے اور کچن میں جا کر روٹی پکانے لگے' مگر ایسا کچھ نہ ہوا' ذمہ داریاں تبدیل ہونے کی وجہ سے وہ فریال سے روٹی پکانے کے لیے کہہ بھی نہیں سکتا تھا' اس لیے خاموشی سے اٹھا اور روٹی لانے کے لیے چل پڑا۔

وہ کھانا کھانے بیٹھے تو فریال نے بے دلی سے پہلا لقمہ منہ میں ڈالا تھا' کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس سے قبل دانش نے زندگی میں کبھی کھانا نہیں بنایا تھا' اس لیے یقینی طور پر ذائقہ بھی ایسا ہی ہوگا' دانش نے اس انتظار میں کھانا شروع نہیں کیا تھا کہ پتہ نہیں کھانے کا ذائقہ کیسا ہوگا اور نہ جانے فریال ابھی کیا کہہ دے گی۔

''کھانا تو اچھا بنایا تم نے۔'' فریال نے پہلا لقمہ منہ میں ڈالتے ہی کہا۔

''کیوں مذاق کرتی ہو' آج پہلی بار پکایا ہے ناں' جیسا بھی ہے کھا لو...... آہستہ آہستہ سیکھ جاؤں گا۔''

''تم میری بات کو مذاق سمجھ رہے ہو؟'' ''یقین نہیں آتا تو خود کھا کر دیکھ لو۔'' فریال نے اس یقین کے ساتھ بات کی تھی کہ دانش کو بھی تسلی ہوگئی تھی' اس لیے بولا۔

''تم کہتی ہو تو مان لیتا ہوں' ورنہ لگتا نہیں کہ کھانا مزیدار پکا ہوگا۔'' دانش نے یہ کہتے ہی نوالہ توڑ کر منہ میں ڈال لیا۔

کھانا لذیز تو نہیں تھا لیکن قابل قبول ضرور تھا' وہ جان گیا تھا کہ فریال نے محض اس کا دل رکھنے کے لیے اس کی تعریف کر دی ہے' اس نے کھانے کے بارے میں مزید کوئی بات نہ کی اور خاموشی سے کھانا کھانے لگا' وہ بظاہر خاموشی سے کھانا کھاتا رہا مگر کھانے کے دوران وہ مسلسل یہ سوچتا رہا کہ جب کبھی فریال سے اس طرح کا بے ذائقہ کھانا پک جایا کرتا تھا تو وہ اسے کس قدر شرمندہ کیا کرتا تھا۔

......☆☆☆......

رفتہ رفتہ وقت گزرنے لگا' جہاں گھر چلانے میں دانش کو بہت سی پریشانیاں پیش آ رہی تھیں وہاں فریال کو بھی کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا' آفس میں نئی ہونے کی وجہ سے یوں تو زیادہ تر کولیگز اس کے ساتھ بھرپور تعاون کرتے تھے' خاص طور پر جس دوست نے اسے جاب دلوانے میں مدد کی تھی وہ بھرپور تعاون کر رہی تھی' کچھ ساتھی ایسے بھی تھے جو باس تک ذرا ذرا سی بات پہنچانے سے بھی باز نہیں آتے تھے' کئی بار آفس سے گھر یا گھر سے آفس وقت پر پہنچنا بھی مسئلہ بنا' لیکن اس نے کسی نہ کسی طرح اسے بھی سنبھال لیا تھا' مگر فریال کو آفس کے علاوہ گھر میں بھی کچھ مشکلات پیش آ رہی تھی' جن میں سر فہرست تینوں وقت تندوری روٹی کھانا پڑ رہی تھی اس کے علاوہ فریال کو عادت تھی کہ ہفتے میں ایک دو بار بریانی ضرور تیار کرتی تھی جواب نہیں مل رہی تھی' گو کہ ان دونوں نے باری باری بچوں کو سمجھا دیا تھا' لیکن بچے اس بات سے پریشان رہنے لگے تھے کہ ان کے پاپا ہر وقت گھر میں کیوں بیٹھے رہتے ہیں اور ماما سارا سارا دن کہاں رہتی ہیں۔

وہ صبح کی گھر سے نکلی شام کو لوٹتی تو اس میں اتنی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ گھر کے کسی کام کو ہاتھ لگائے گو کہ دانش اپنی پوری کوشش کرتا تھا کہ سالن ایسا تیار کیا جائے جو شوق سے کھایا جا سکے اور اس کوشش میں کسی روز وہ کامیاب بھی ہو جاتا تھا مگر زیادہ تر اس کے ساتھ ساتھ سب کو کھانا زہر مار کرنا پڑتا تھا' یہی وجہ تھی کہ ہفتہ بھر بدذائقہ کھانا کھا کر فریال کی طبیعت اچاٹ ہو چکی ہوتی تھی' اس لیے چھٹی کے روز وہ دوپہر کے کھانے کا اہتمام کرتی اور کوئی نہ کوئی سویٹ ڈش بھی بنا لیتی تھی' گھر کا بھی برا حال تھا' دانش جو کسی بھی چیز پر پڑی ذرا سی مٹی دیکھ کر سو سو باتیں بنایا کرتا تھا' اپنے طور پر صفائی تو کرتا تھا' مگر اس کے باوجود ہر چیز پر مٹی کی تہیں جمنے لگی تھیں۔

فریال کی چھٹی کا دن انہی کاموں کی نذر ہو جاتا تھا' معاہدے کے مطابق دانش کو گھر کے کام کرنا تھے اور فریال کو جاب کرنا تھی' لیکن اس کے باوجود بغیر کوئی احتجاج اور بات کیے فریال خاموشی سے چھٹی کا سارا دن گھر کو اس کی اصل جگہ پر لانے میں گزار دیتی تھی' دانش اس بات سے بخوبی آگاہ تھا' مگر اس کے باوجود چھٹی کا سارا دن مزے سے آرام کرتا تھا۔

......☆☆☆......

کئی بار آفس سے گھر آتے یا گھر سے آفس جاتے ہوئے فریال لیٹ ہوتے ہوتے بچی تھی مگر کسی نہ کسی طرح وقت پر پہنچ گئی تھی' وہ معمول کے مطابق آفس سے نکل کر بس سٹاپ پر آ کھڑی ہوئی تھی' بس سٹاپ پر ہر روز کئی جانے پہچانے چہرے دکھائی دیا کرتے تھے' مگر

اس روز نہ صرف معمول سے کچھ زیادہ رش تھا' بلکہ بہت سے ایسے چہرے بھی دکھائی دے رہے تھے جو اس نے پہلی بار دیکھے تھے۔
بس اسٹاپ پر کھڑے کافی دیر ہوگئی تھی' وقفے وقفے سے اکا دکا وین آرہی تھی' جن کا زور چلتا وہ سوار ہوجاتے' لیکن اس دوران اتنے ہی مسافر اور آ کھڑے ہوتے تھے' یوں رش میں کوئی کمی نہیں آرہی تھی' فریال اس بات سے خوف زدہ تھی کہ اگر وہ مزید لیٹ ہوئی تو دانش نہ صرف جاتے ہی اس پر برس پڑے گا' بلکہ اچھی طرح اپنا غصہ بھی نکالے گا۔
کچھ دیر تک فریال یہ سمجھ نہیں پائی تھی کہ آخر ماجرہ کیا ہے' پھر وہاں سواری کے انتظار میں کھڑی دوسری خواتین سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ شہر میں ہونے والی ہڑتال کی وجہ سے بسیں اور ویگنیں کم ہوگئی ہیں' وہ کچھ دیر تک وہیں کھڑی حالات کا جائزہ لیتی رہی پھر اس نے رکشے میں جانے کا پروگرام بنالیا' وہاں رکشے بھی کم کم ہی دکھائی رہے تھے' اگر کوئی رکشہ ادھر آنکلتا تو ابھی وہ آکر رکتا بھی نہیں تھا کہ بہت سے طلبگار اس کی طرف لپک پڑتے اور رکشے والا منہ مانگا کرایہ لے کر سواری بٹھاتا اور وہاں سے نکل جاتا تھا' یوں تو اس طرح کے حالات آئے دن پیدا ہوتے رہتے تھے مگر فریال کا واسطہ پہلی بار پڑا تھا۔
گھر پہنچنا ایک مشکل مرحلہ بن چکا تھا' مگر اس مرحلے کو پار کرنا بھی ضروری تھا' کئی بار اس کے ذہن میں خیال آیا کہ وہ دانش کو حالات سے آگاہ کردے' لیکن وہ یہ سوچ کر خاموش ہوگئی تھی کہ اس معاملے میں وہ بھی کچھ نہیں کرپائے گا' کیونکہ وہاں آنے کے لیے اسے بھی کسی وین میں ہی آنا پڑے گا اور وین کے لیے اسے بھی اسی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا جس پریشانی کا سامنا وہ کررہی تھی' اس لیے اس نے فیصلہ کرلیا کہ اس طرح کھڑے رہنے سے بہتر ہے کہ کوئی نہ کوئی انتظام کیا جائے' وہ کچھ دیر تک بس سٹاپ پر کھڑی سوچتی رہی پھر وہاں سے نکل کر ایک سمت کو چل پڑی۔
شام ہوگئی تھی' کچھ کچھ اندھیرا بھی پھیلنے لگا تھا' کچھ اور لوگ بھی ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی اسٹاپ سے نکل کر پیدل ہی چل پڑے تھے' جس کی وجہ سے اسے بھی کچھ حوصلہ تھا' لوگ کسی نہ کسی گاڑی یا موٹر سائیکل کو دیکھ کر لفٹ کے لیے اشارہ کرتے اور اس کے رکنے پر اس کے ساتھ بیٹھ کر وہاں سے نکل جاتے تھے' وہ تھوڑی سی دور جاکر سڑک کنارے کھڑی ہوگئی تھی' بہت سی موٹر سائیکلیں اور گاڑیاں اس کے پاس سے گزر رہی تھیں' مگر کسی کو رکنے کا اشارہ کرنے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی' وہ کچھ دیر تک وہیں خاموشی سے کھڑی انہیں جاتا دیکھتی رہی' پھر اس نے دل کو مضبوط کیا اور ہمت کرکے ایک موٹر سائیکل سوار کو آتے دیکھ کر رکنے کا اشارہ کردیا' موٹر سائیکل سوار اپنے خیالوں میں گم جا رہا تھا' اس لیے وہ وہاں رکے بغیر آگے نکل گیا تھا اور فریال وہیں مایوس کھڑی اسے دور تک جاتا ہوا دیکھتی رہی۔
فریال نے موٹر سائیکل والے کو رکنے کا اشارہ کیا تھا مگر وہ وہاں نہیں رکا تھا' لیکن اسے اشارہ کرتے دیکھ کر ایک گاڑی والے نے بریک لگادی تھی' جہاں فریال کھڑی تھی' گاڑی اس سے کچھ آگے جاکر رکی تھی' وہ ابھی گاڑی کو رکتے دیکھ ہی رہی تھی کہ گاڑی ریورس ہونے لگی' جیسے ہی گاڑی اس کے سامنے پہنچی' گاڑی کے پچھلے دروازے کا شیشہ نیچے ہونے لگا۔
''کہاں جانا ہے بیٹا؟'' شیشہ پوری طرح نیچے ہونے پر ایک عورت نے اپنا سر باہر نکال کر پیار سے دریافت کیا تھا۔
''جی...... وہ......'' گھبراہٹ کے مارے فریال کی ٹانگیں بری طرح کانپ رہی تھیں اور اس سے بات بھی نہیں ہو پارہی تھی۔
اس کے بیٹھنے کے لیے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول دیا گیا تھا' عورت نے اپنے ساتھ ہی اس کے بیٹھنے کے لیے جگہ بنادی تھی اور فریال ڈرتے ڈرتے گاڑی میں بیٹھ گئی تھی' فریال کے بیٹھتے ہی گاڑی چل پڑی تھی' گاڑی ایک خوب صورت جاذب نظر سمارٹ نوجوان ڈرائیو کر رہا تھا' وہ ہمت کرکے گاڑی میں بیٹھ تو گئی تھی مگر اس کا دل تیزی سے دھک دھک کرنے لگا تھا' گاڑی سڑک پر دوڑی چلی جارہی تھی' اب تک وہ تینوں ہی خاموش تھے' پھر اچانک فریال کے ساتھ بیٹھی ہوئی ماڈرن عورت کی مترنم آواز اس کے کانوں میں پڑی۔
''مجھے نازیہ کہتے ہیں......'' پھر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے نوجوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی' ''اور یہ کاشف ہے۔''
''جی......'' فریال بمشکل اتنا کہہ پائی تھی۔
''اور میری بیٹی کا کیا نام ہے؟'' نازیہ نے فریال کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا تھا۔
''فریال......''
''کہاں جانا ہے بیٹی نے؟''
''وہ...... وہ دراصل...... آج ہڑتال کی وجہ سے کوئی گاڑی نہیں مل رہی تھی' اس لیے مجبوراً لفٹ لینا پڑی۔'' فریال نے ڈرتے ڈرتے

رک رک کر بات کی۔

''آپ کو جانا کہاں ہے؟''

''مجھے گلستان کالونی جانا ہے' لیکن جہاں آپ کو آسانی ہو اتار دیجیے گا' میں وہاں سے کوئی رکشہ لے لوں گی۔''

''اگر آپ نے گلستان کالونی جانا ہے' پھر تو مسئلہ ہی کوئی نہیں' ہم نے وہیں سے گزر کر جانا ہے' جہاں آپ کہیں گی ہم آپ کو ڈراپ کر دیں گے۔''

''تھینک یو میڈم۔''

''میڈم نہیں...... آنٹی...... آنٹی نازیہ۔''

''اور مجھے بھی سر نہیں...... کاشف کہہ سکتی ہیں......'' کاشف نے پچھلی سیٹ کے ایک کونے میں سمٹی ہوئی فریال کو آئینے میں دیکھتے ہوئے شرارت سے کہا۔

......☆☆☆......

جب سے فریال نے آفس جانا شروع کیا تھا' تب سے وہ کسی روز بھی گھر لیٹ نہیں پہنچی تھی' جیسے ہی اس کی چھٹی کا وقت ہوتا' دانش اس کے آنے کا انتظار کرنے لگ جاتا تھا' اور پھر وہ آ بھی جایا کرتی تھی' اس روز وہ انتظار کرتے کرتے پریشان ہونے لگا تھا' مگر فریال نہیں آئی تھی' بار بار اس کی نظر دیوار پر لگی گھڑی پر اٹھ جاتی تھی' جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا تھا' دانش کی پریشانی بڑھتی جاتی تھی' اس نے وقفے وقفے سے کئی بار فریال کے آفس بھی فون ملا کر معلوم کرنے کی کوشش کی تھی' لیکن فون کوئی نہیں اٹھا رہا تھا' جس سے صاف ظاہر تھا کہ آفس بند ہو چکا اور وہ آفس میں نہیں تھی۔

دانش کو خبر تھی کہ وہ آفس سے نکلتے ہی موبائل بند کر دیا کرتی تھی' کیونکہ وہ اس بات سے ڈرتی تھی کہ اگر کبھی اس نے راستے میں کسی کا فون سنا تو کوئی اس سے موبائل چھین لے گا' اس کے باوجود دانش نے کئی بار کال کرنے کی بھی کوشش کر لی تھی مگر ہر بار پاورڈ آف کا پیغام سننے کو ملتا تھا' بچے بھی کئی بار ماں کے متعلق پوچھ چکے تھے' دانش نے انہیں بھی کسی نہ کسی طرح تسلی دے دی تھی۔

ٹیلی وژن چل رہا تھا اور بہت اچھے پروگرام بھی پیش کیے جا رہے تھے لیکن اس کا ان پروگراموں میں کوئی دل نہیں لگ رہا تھا' وہ بچوں کے ساتھ مل کر بظاہر ٹی وی دیکھ رہا تھا مگر اس کی نگاہیں مسلسل دروازے پر لگی ہوئی تھیں۔

سفر زیادہ لمبا نہیں تھا مگر فریال کے گاڑی سے اترنے تک وہ ایک دوسرے کے متعلق کافی کچھ جان چکے تھے' فریال گھر پہنچی تو دانش کے ساتھ ساتھ بچے بھی اس کے انتظار میں بیٹھے تھے' اس کا خیال تھا کہ جیسے ہی وہ گھر میں داخل ہو گی' دانش اس پر برس پڑے گا مگر وہ حیران تھی کہ ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔

وہ گھر پہنچی تو رسمی سلام دعا کے بعد ٹی وی لاؤنج میں دانش کے قریب ہی صوفے پر بیٹھ گئی۔

''ماما! آپ کہاں ہوتی ہیں؟ میں آپ کو گھر میں ڈھونڈتا رہتا ہوں' مگر آپ کہیں نظر ہی نہیں آتیں۔'' علی نے ماں سے لپٹتے ہوئے کہا۔

''اچھا' میرا بیٹا مجھے ڈھونڈتا رہتا ہے؟'' فریال نے علی کو پیار کرتے ہوئے کہا۔

''تو اور کیا...... مگر آپ کہیں ملتی ہی نہیں۔'' علی نے معصومیت سے بات کی۔

''ماما آفس میں ہوتی ہیں ناں بیٹا اور آج آفس سے آتے ہوئے کچھ دیر بھی ہو گئی۔''

''دیر کیوں ہو گئی ماما۔'' بھائی کو ماں سے لپٹے دیکھ کر عمر نے بھی ماں کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے سوال کیا۔

دانش نے لیٹ آنے پر اس سے کوئی سوال نہیں کیا تھا' مگر ہو سکتا ہے اس نے کسی غصے کی وجہ سے جان بوجھ کر بات نہ کی ہو' اس لیے لیٹ آنے کے بارے میں وضاحت کرنے کا اچھا موقعہ تھا' اس لیے وہ کچھ اس طرح سے بولی کہ دانش بھی اس کی بات با آسانی سن لے

''بیٹا! ماما تو آفس سے روز وقت پر ہی گھر آ جاتی ہیں' لیکن آج ماما کو کوئی گاڑی ہی نہیں مل رہی تھی' اس لیے کچھ دیر ہو گئی۔''

''آج گاڑی کیوں نہیں مل رہی تھی؟'' عمر نے ایک اور سوال کر ڈالا۔

''کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے بیٹا......''

فریال کے جواب سے دونوں بچے مطمئن ہو گئے تھے اور انہوں نے اس کے بعد کوئی سوال بھی نہیں کیا تھا' فریال جان گئی تھی کہ اس نے

اپنے لیٹ آنے کی جو وضاحت پیش کی تھی، وہ دانش کے کانوں میں بھی پڑ گئی تھی اور وہ بھی مطمئن ہو گیا ہوگا۔

فریال جان بوجھ کر لیٹ نہیں ہوئی تھی، مگر پھر بھی سونے سے پہلے تک پریشان رہی اور سوچتی رہی کہ یا تو دانش اس کے لیٹ آنے پر خفا ہے، اس لیے کوئی بات نہیں کر رہا یا پھر وہ بات کرنے کے لیے مناسب وقت کی تلاش میں ہے، اور اسے جیسے ہی موقعہ ملا وہ اس پر غصہ ضرور نکالے گا، فریال نے اپنے طور پر اپنے لیٹ آنے کی وضاحت کر دی تھی، اس لیے پھر اس بارے میں مزید کوئی بات نہ ہوئی۔

......☆☆☆......

''کل گھر کس طرح پہنچیں؟'' زارا نے لنچ بریک کے دوران فریال سے دریافت کیا۔

''میں؟'' میں...... میں وہ...... بس...... بڑی مشکل سے ہی پہنچی'' فریال اس سوال کے لیے تیار نہ تھی، اس لیے اس نے بمشکل گول مول بات کی۔

''اس طرح کے کام تو اب آئے روز ہوتے ہی رہیں گے، تم اپنے طور پر اس کا کوئی نہ کوئی انتظام سوچ کر رکھا کرو۔''

''میں تو خیر کسی نہ کسی طرح پہنچ ہی گئی، تم اپنی سناؤ، تم کیسے پہنچی؟''

''یہ سیکرٹ ہے......'' زارا نے مسکراتے ہوئے بات کی۔

''اب تم مجھ سے بھی باتیں سیکرٹ رکھو گی؟''

''یہ ہے تو سیکرٹ ہی، مگر تجھ سے نہیں۔''

''اچھا نہیں بتاتی تو نہ بتاؤ، میں نہیں پوچھوں گی۔''

''تم تو ناراض ہونے میں ایک منٹ بھی نہیں لگاتی۔''

''تم بھی تو اب سیکرٹ باتیں رکھنے لگی ہو۔''

''اوئے ناراض کیوں ہوتی ہو۔ اپنی جان سے تھوڑی ہی کوئی بات سیکرٹ رکھوں گی۔''

''فی الحال تم اپنے اس سیکرٹ کو سیکرٹ ہی رکھو، لنچ بریک کا ٹائم ختم ہو گیا ہے، پھر کسی وقت بات کریں گے۔'' فریال نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔

''اور پھر میں تمہیں صرف اپنا سیکرٹ ہی نہیں اور بہت سے گر بھی بتاؤں گی۔'' زارا نے ہنستے ہوئے بات کی، پھر وہ دونوں اٹھ گئیں اور اپنی اپنی سیٹوں پر جا بیٹھیں۔

کبھی کبھی انسان بغیر کچھ سوچے سمجھے کچھ ایسے فیصلے کر لیتا ہے جس کے نتیجے کی خود اسے بھی خبر نہیں ہوتی، بعض اوقات اس طرح سے کیے ہوئے کچھ فیصلے بہت اچھے ثابت ہوتے ہیں اور بعض اوقات انسان کو ان فیصلوں پر پچھتانا پڑتا ہے، کچھ فیصلے جلد بازی میں کر لیے جاتے ہیں، مگر جلد بازی میں کیے فیصلے دیرپا نہیں ہوا کرتے، لیکن کچھ فیصلے وقتی مصلحتوں کے تحت بھی کرنے پڑ جاتے ہیں۔

ایک ایسا ہی فیصلہ فریال کو بھی کرنا پڑ گیا تھا، جس کے لیے وہ مسلسل سوچتی رہی اور اپنے دل میں یہی فیصلہ کیا تھا کہ اس کا وہ فیصلہ صحیح تھا یا غلط لیکن وہ آئندہ ایسا کبھی نہیں کرے گی۔

فریال گھر پہنچی تو دروازہ عمر نے کھولا تھا، دروازہ کھلتے ہی عمر کی آواز فریال کے کانوں سے ٹکرائی۔

''ماما جلدی کرو، بھائی جل رہا ہے۔''

عمر کی بات سن کر فریال کو ایک زوردار جھٹکا لگا اور فوراً بولی ''کیا کہہ رہے ہو؟''

''میں سچ کہہ رہا ہوں ماما۔'' عمر نے ماں کو یقین دلانے کی کوشش کی۔

''اور تمہارے پاپا کہاں ہیں؟''

''پاپا کمرے میں علی کے پاس ہیں......''

عمر کی بات نے فریال کو ہلا کر رکھ دیا تھا، اس لیے وہ جلد از جلد اپنے بیٹے کو دیکھنا چاہتی تھی، وہ بڑے بڑے قدم اٹھاتی ہوئی تیزی سے بیڈ روم کی طرف گئی تھی، علی آنکھیں بند کیے بیڈ پر لیٹا تھا، اس کے ماتھے پر ٹھنڈے پانی کی پٹی رکھی ہوئی تھی، دانش اس کے پاس بیٹھا اسے ٹھنڈے پانی کی پٹیاں کر رہا تھا۔

عمر کی بات سن کر وہ خوف کے مارے بری طرح کانپ رہی تھی' وہ فوراً اس کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گئی اور ڈرتے ڈرتے سوال کیا۔
''کیا ہوا اسے؟''
''صبح سے ہی کافی تیز بخار تھا۔ ٹھنڈے پانی کی پٹیاں کرنے سے اب ٹمپریچر کچھ کم ہوا ہے' اسی لیے تو آنکھ لگ گئی' ورنہ وہ بہت بے چین ہو رہا تھا۔''
''عمر نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔ کہہ رہا تھا بھائی جل رہا ہے۔''
''پاپا سے پوچھ لیں' پاپا خود ہی تو کہہ رہے تھے۔'' عمر نے اپنی صفائی پیش کی۔
''بیٹا! بھائی کو تیز بخار تھا' اس لیے میں نے محاورۃً کہہ دیا تھا۔'' دانش نے پیار سے عمر کو سمجھایا۔
''یہ تو تم نے بہت اچھا کیا جو اسے پٹیاں کر دیں' لیکن کسی ڈاکٹر کو دکھانا تھا۔''
''شام کو ڈاکٹر کو بھی دکھا دیں گے۔''
''بچے کا برا حال ہو رہا ہے اور تم ڈاکٹر کو دکھانے کے لیے شام تک کا انتظار کرو گے۔'' فریال نے تلخ لہجے میں بات کی۔
''اس وقت کون سا ڈاکٹر بیٹھا ہوتا ہے؟''
''ہاں ہاں' اس کے لیے تو سارے ڈاکٹر ہی مر گئے ہیں۔''
''بات کو بڑھایا مت کرو' تم اچھی طرح جانتی ہو' یہاں سارے ڈاکٹر شام کو ہی کلینک کھولتے ہیں۔''
''تم سکون سے گھر بیٹھو۔ میں اپنے بیٹے کو خود ہی چیک کروا لوں گی۔''
''کبھی سیدھی بات نہ کرنا۔'' دانش نے غصے سے کہا اور وہاں سے باہر نکل کر ٹی وی لاؤنج میں آ بیٹھا۔
فریال جانتی تھی کہ اس وقت واقعی کوئی ڈاکٹر بیٹھا نہیں ہوتا' مگر پھر بھی بچے کی پریشانی کی وجہ سے جو دل میں آیا کہے جا رہی تھی' بعد میں فریال اور دانش اپنی اپنی جگہ کلینک کھلنے کا انتظار کرنے لگے' پٹیاں کرنے سے ویسے تو شام تک علی کا بخار اتر گیا تھا لیکن پھر بھی ڈاکٹر کو دکھانا ضروری تھا' کلینک کھلتے ہی وہ دونوں علی کو ڈاکٹر کے پاس لے گئے اور اسے چیک اپ کروانے کے بعد دوا دلوائی۔

......☆☆☆......

دانش کا خیال تھا کہ جاب کرنے کا جنون چند دن میں نہیں تو ایک ماہ میں تو اتر ہی جائے گا' اس نے شاہد کے مشورے سے اپنے آفس سے ایک ماہ کی چھٹی لے رکھی تھی جو ختم ہونے کو تھی' جیسے جیسے دن گزر رہے تھے' دانش کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔
''یار میری ایک ماہ کی چھٹی تو ختم ہونے والی ہے۔'' دانش نے خیریت معلوم کرنے کے بعد شاہد کو ٹیلی فون پر بتایا۔
''چھٹی ختم ہو رہی ہے تو پھر کیا ہوا؟''
''میری جان پر بنی ہوئی ہے اور تمہارے لیے کچھ ہوا ہی نہیں۔''
''کیوں پریشان ہوتے ہو۔ اس کا سیدھا سا حل ہے' ایک ماہ کی چھٹی اور لے لو۔''
''لیکن اس طرح کب تک چلے گا۔''
''جب تک چلتا ہے چلاؤ۔''
''ایسا نہ ہو آفس والے مجھے ہی فارغ کر دیں۔''
''جب یہ نوبت آئے گی پھر سوچیں گے' فی الحال تم ایک ماہ کی اور چھٹی لے لو۔''
''مگر اتنی چھٹی مجھے دے گا کون؟''
''تم یہ سب مجھ پر چھوڑ دو' بس درخواست بھجوا دو' پھر میں جانوں اور میرا کام۔''
''اچھا میں ایک آدھ دن میں کوئی پروگرام بناتا ہوں۔ خدا حافظ۔'' دانش نے بات کرتے ہی فون بند کر دیا۔
علی کے اٹھنے کا بھی ٹائم ہو گیا تھا' اس کے لیے فیڈر بھی تیار کرنا تھا اور کھانا پکانے کا بھی کوئی پروگرام بنانا تھا' اس لیے وہ جلدی سے کچن میں گھس گیا' دانش نے اس سے قبل بھی آفس سے ایک ماہ کی چھٹی لی تھی' وہ بغیر تنخواہ کے تھی جو ختم ہو رہی تھی' اس لیے مزید چھٹی لینے کے لیے اسے آفس جانا تھا' دانش اس سلسلے میں فریال سے بات بھی نہیں کر سکتا تھا' کیونکہ اسے یہ معلوم بھی نہ تھا کہ اس نے آفس سے چھٹی لے رکھی

ہے‘ وہ تو یہی سمجھ رہی تھی کہ جس طرح ان کا آپس میں معاہدہ ہوا تھا اس حساب سے اس نے جاب چھوڑ دی تھی اور گھر کی ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں اور وہ خود آفس میں جاب کرنے لگی تھی۔

دانش کا آفس میں جانا انتہائی ضروری تھا‘ گو کہ شاہد نے اسے تسلی دی تھی کہ وہ اسے چھٹی کی درخواست دے دے‘ باقی کام وہ خود ہی کروا لے گا‘ لیکن اسے درخواست دینے کے لیے تھوڑی دیر کے لیے ہی سہی جانا تو تھا۔

اس نے آفس جانے کے لیے خود کو ذہنی طور پر تیار کرلیا تھا‘ وہ جانتا تھا کہ وہ جب بھی گھر سے نکلے گا‘ اس کے پاس وقت بہت کم ہوگا‘ اسے تیزی سے گھر سے نکل کر آفس جانا ہوگا اور جلد از جلد تمام کام نمٹا کر وقت ضائع کیے بغیر واپس گھر پہنچنا ہوگا۔

اس نے پروگرام کے مطابق عمر کے جاتے ہی علی کو ناشتے کے بعد دودھ پلا کر سلا دیا اور پھر فریال کے جانے کا انتظار کرنے لگا‘ فریال آفس جانے کے لیے گھر سے نکلی تو اس نے چند منٹ اس بات کی تسلی کے لیے انتظار کیا کہ فریال وین میں بیٹھ کر آفس روانہ ہو جائے۔

جیسے ہی دانش کو اس بات کی تسلی ہوگئی کہ فریال اب بس سٹاپ پر کھڑی نہیں ہوگی‘ اس نے جلدی سے دروازے کو لاک لگایا اور آفس جانے کے لیے بس سٹاپ پر آ کھڑا ہوا‘ وہ جس وین پر سوار ہوا تھا‘ اس نے اس کے آفس کے قریب ہی اتار دیا تھا‘ وہ پورے ایک ماہ بعد آفس آیا تھا‘ جو بھی اسے دیکھتا‘ اسے گلے لگا کر ملتا اور اس کی خیریت معلوم کرتا‘ دانش نے آفس آنے سے پہلے ہی چھٹی کی درخواست لکھ کر اپنی جیب میں ڈال لی تھی اور وہ فوری طور پر یہ درخواست شاہد کے حوالے کر کے گھر لوٹ جانا چاہتا تھا‘ کیونکہ وہ علی کو سلا کر آیا تھا اور اسے اس بات کا بھی ڈر تھا کہ کہیں وہ اس کے جانے سے پہلے اٹھ نہ جائے۔

دانش اپنے آفس کے دوسرے کولیگز سے ملتا ملاتا اور چھپتا چھپاتا شاہد کی ٹیبل پر جا پہنچا تھا‘ شاہد اپنی سیٹ پر موجود نہیں تھا‘ اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائی لیکن وہ اسے کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا‘ اسے گھر واپس جانے کی بھی جلدی تھی‘ اس لیے اس کا شاہد کے انتظار میں وہاں بیٹھے رہنا بھی ممکن نہیں تھا‘ پاس ہی آفس کا چپڑاسی بنچ پر بیٹھا تھا‘ دانش نے یہ سوچ کر کہ اگر وہ شاہد کے متعلق جاننے کے لیے اس کے پاس گیا تو ممکن ہے اسے آفس کے اور کولیگز بھی دیکھ لیں‘ اس لیے اس نے اشارے سے چپڑاسی کو اپنے پاس بلالیا۔

”شاہد صاحب کہاں ہیں؟“ دانش نے آہستہ سے چپڑاسی سے دریافت کیا۔

”آج بہت دنوں بعد نظر آئے ہیں۔ خیریت سے تو ہیں؟“ چپڑاسی نے دانش کے سوال کا جواب دینے کی بجائے اسے سوال کر دیا۔

”میں یہیں ہوتا ہوں‘ میں نے کہاں جانا ہے‘ لیکن شاہد صاحب نظر نہیں آ رہے۔“ چپڑاسی کا سوال سن کر دانش کے تن بدن کو آگ لگ گئی تھی مگر اس نے کسی ناراضگی کا اظہار کیے بغیر بات کی۔

”وہ تو آج چھٹی پر ہیں‘ کل آئیں گے......“

”چھٹی پر ہیں؟“ دانش نے شاہد کے نہ آنے کا سن کر مایوسی سے خود کلامی کے انداز میں بات کی۔

”جی سر!؟“

چپڑاسی کے منہ سے شاہد کے نہ آنے کا سن کر دانش کو خود پر غصہ آ رہا تھا‘ اسے اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا کہ اس نے آفس آنے سے قبل فون کیوں نہیں کر لیا تھا‘ وہ خود کو لعن طعن کرتا ہوا واپس گھر جا پہنچا تھا۔

دانش نے بھرپور کوشش کی تھی کہ آفس سے جلد از جلد فارغ ہو کر واپس گھر پہنچ جائے مگر پھر بھی اسے کچھ دیر ہوگئی تھی‘ اس نے جلدی سے تالا کھولا اور دوڑ کر علی کی طرف بڑھا‘ وہی ہوا تھا جس کا اسے ڈر تھا‘ علی کی آنکھ کھل گئی تھی اور وہ بیڈ پر لیٹا رو رہا تھا‘ وہ باپ کو دیکھ کر اور بھی زور زور سے رونے لگا تھا‘ دانش نے جلدی سے آگے بڑھ کر اسے گود میں اٹھالیا اور اسے بہلانے کے لیے اس سے باتیں کرنے لگا‘ وہ کچھ دیر تک اسے بہلاتا رہا تب کہیں اس نے رونا بند کیا۔

فریال نے اسے عجیب مشکل میں مبتلا کر دیا تھا‘ اس کے لیے گھر سے نکلنا مشکل ہو گیا تھا‘ شاہد نے اسے تسلی تو دلائی تھی مگر اسے درخواست دینے کے لیے ایک بار تو خود جانا تھا‘ وہ آج تو کسی طرح داؤ لگا کر آفس ہو آیا تھا مگر اگلے روز اسے پھر جانا تھا‘ لیکن اب کی بار اس نے فیصلہ کیا کہ وہ جانے سے قبل شاہد سے فون پر بات کر لے گا۔

”آفس میں ہی ہو ناں؟“ دانش کی چھٹیاں ختم ہو رہی تھیں اور اسے ہر حال میں آفس جا کر درخواست دینا تھی‘ اس لیے سلام دعا کے بعد اس نے شاہد سے سوال کیا۔

''میں آفس میں ہی ہوں' میں نے کہاں جانا ہے۔''
''اور کل بھی تو تم آفس میں ہی تھے۔''
''کل تو میں چھٹی پر تھا۔'' شاہد نے بات کی' پھر خود ہی بولا ''لگتا ہے تم کل آئے ہو گے۔''
''ہاں میں آیا تو تھا مگر تم سے ملاقات نہ ہوئی۔''
''آنے سے پہلے فون کر لیتے۔''
''یہی تو غلطی ہو گئی۔ خیر آج تو تم ہو ناں؟''
''ہاں' میں یہیں ہوں' تم آجاؤ۔''
''ٹھیک ہے میں ابھی تھوڑی دیر میں پہنچتا ہوں۔''
علی نے ناشتے کے بعد دودھ بھی پی لیا تھا مگر وہ روز کی طرح سو نہیں رہا تھا' دانش اس انتظار میں تھا کہ علی سوئے تو وہ آفس جائے' لیکن اس کے سونے کے کوئی آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے' وہ سکون سے بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا' جس کی وجہ سے دانش کو نہ صرف الجھن ہو رہی تھی بلکہ غصہ بھی آ رہا تھا' علی کے نہ سونے کی وجہ سے دانش الجھ کر رہ گیا تھا' اگر وہ کچھ دیر تک اس انتظار میں بیٹھا رہتا تو عمر کے اسکول سے آنے کا وقت ہو جاتا' اس لیے اس نے علی کو اپنے ساتھ آفس لے جانے کا فیصلہ کر لیا۔
''علی......''
''کیا ہے پاپا؟''
''باہر گھومنے چلیں؟''
''میں کارٹون دیکھ رہا ہوں پاپا۔''
''کارٹون واپس آکر دیکھ لینا بیٹا۔'' دانش نے علی کو پیار سے پچکارتے ہوئے کہا۔
علی کسی بھی طرح ٹام اینڈ جیری کارٹون چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھا' اس لیے دانش نے اسے منانے کے لیے ایک اور جال پھینکا۔
''پاپا کے ساتھ چلو گے تو آئس کریم بھی ملے گی اور بہت سارے چاکلیٹ بھی......''
آئس کریم اور چاکلیٹس والا تیر ٹھیک نشانے پر لگا تھا' اپنی پسندیدہ چیزوں کا سن کر علی' باپ کے ساتھ چلنے کے لیے فوری طور پر کارٹون چھوڑ کر اٹھ گیا اور بولا۔
''چلیں پھر پاپا......''
دانش' علی کو ساتھ لیے آفس پہنچا تو شاہد اس کے انتظار میں بیٹھا تھا' شاہد نے دانش سے ہاتھ ملایا اور علی کے گال پر پیار کیا۔
کچھ رسمی کلمات ادا کرنے اور خیریت دریافت کرنے کے بعد دانش نے جیب سے چھٹی کی درخواست نکال کر شاہد کے ہاتھ میں تھما دی اور بولا۔
''یہ لو درخواست اور اب تم جانو اور تمہارا کام۔''
''وہ تو ٹھیک ہے مگر......''
''مگر کیا؟''
''میں نے تمہارے آنے سے پہلے صاحب سے بات کی تھی لیکن وہ نہیں مانے۔''
''تم تو کہہ رہے تھے' میں خود ہی سنبھال لوں گا' پھر اب کیا ہوا؟''
''ہاں میں نے کہا تو تھا' لیکن۔''
''لیکن ویکن کچھ نہیں' اب جیسے چاہے کرو' میری چھٹی منظور کرواؤ۔''
''میں نے اپنے طور پر کوشش تو کی تھی مگر صاحب نہیں مان رہے' اب تم ہی بتاؤ میں کیا کروں اور ہاں' صاحب کہہ رہے تھے کہ دانش کو کہنا مجھے خود ملے۔''
''میں بھلا اب صاحب سے کیا بات کروں؟''

''کوئی بھی بہانہ بنا دو اور یا پھر ہمت کر کے جو اصل بات ہے' وہ بتا دو۔''

''تم نے کتنی آسانی سے یہ کہہ دیا کہ جو حقیقت ہے وہ بتا دوں' حالانکہ یہ مشورہ تم نے دیا تھا اور ہر طرح کی ذمہ داری بھی تم نے لی تھی مگر اب پیچھے ہٹ رہے ہو۔''

''تم صاحب کے پاس جاؤ تو سہی' پھر جو ہوگا دیکھ لیں گے۔''

''اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ تم مجھے پھنسا کر خود ایک طرف ہو جاؤ گے تو میں تمہارا مشورہ کبھی نہ مانتا۔''

''مجھے کیا معلوم تھا کہ حالات یہ رخ اختیار کر لیں گے۔''

''حالات کچھ بھی ہو جائیں' تمہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا' چٹنی تو میں بن گیا ہوں ناں۔''

''اچھا میرے باپ' اچھا۔'' شاہد دونوں ہاتھ دانش کے سامنے جوڑتے ہوئے بولا ''میں نے سب کچھ سن لیا اور تمہارے سامنے ہاتھ بھی جوڑ دیے ہیں' تمہاری بڑی مہربانی ہوگی' جا کر صاحب سے مل تو لو۔''

''ٹھیک ہے' علی تمہارے پاس ہی بیٹھا ہے' اس کا خیال رکھنا۔ میں صاحب کے پاس ہو کر آتا ہوں۔''

''تم اس کی فکر چھوڑو' یہ کہیں نہیں جاتا' تم جلدی سے اندر ہو کر آؤ۔''

دانش کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ کسی روز اس طرح صاحب کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا' وہ بار بار یہی سوچ رہا تھا کہ اگر اس نے شاہد کی بات نہ مانی ہوتی تو آج حالات مختلف ہوتے' لیکن جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا تھا' اب پچھتانے اور سوچتے رہنے سے کچھ حاصل ہونے والا نہیں تھا۔

اس نے دل مضبوط کیا اور ہلکا سا دروازہ کھٹکھٹا کر صاحب کے کمرے میں داخل ہو گیا' صاحب گردن جھکائے کسی کام میں مصروف تھے' اس لیے وہ دروازے میں ہی رک گیا اور اس بات کا انتظار کرنے لگا کہ صاحب نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھیں تو وہ اندر آنے کی اجازت مانگے' وہ کچھ دیر تک اسی طرح کھڑا رہا لیکن صاحب نے گردن اوپر نہ اٹھائی۔

''میں اندر آ سکتا ہوں سر!؟'' کچھ دیر انتظار کے بعد دانش نے صاحب کی توجہ حاصل کرنے کے لیے اجازت طلب کی اور اس سے پہلے کہ وہ کوئی سوال کرتے' وہ خود بول پڑا۔

''سر! مجھے کچھ اور چھٹی چاہئے تھی۔''

''لیکن ابھی تو تمہاری ایک ماہ کی چھٹی نہیں ختم ہوئی ہے۔''

''جی سر۔''

''مگر اتنی چھٹی بار بار تو نہیں دی جا سکتی۔''

''مجبوری ہے سر۔''

''ایسی کون سی مجبوری ہے' جو تمہیں بار بار چھٹی لینی پڑ رہی ہے۔''

''بس ان دنوں کچھ گھریلو مسائل میں الجھا ہوا ہوں' ورنہ آپ جانتے ہی ہیں' میں چھٹی کہاں لیتا ہوں۔''

''اگر کوئی زیادہ ہی مشکل آن پڑی ہے تو مجھے کھل کر بتاؤ' تاکہ اس مشکل کا کوئی حل نکالا جا سکے۔''

''سر کچھ مسئلہ ہی ایسا ہے' میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں آپ کو کیسے بتاؤں۔''

''چلو تم نہیں بتانا چاہتے تو نہ بتاؤ' لیکن مزید چھٹی نہیں ملے گی۔'' صاحب نے اپنا فیصلہ سنایا اور بولے ''اوکے' میں نے جو کہنا تھا وہ کہہ دیا' اب تم جا سکتے ہو۔''

صاحب نے اپنا فیصلہ سنانے کے بعد وہاں سے جانے کا حکم بھی دے دیا تھا لیکن دانش وہاں سے جانے کی بجائے وہیں گردن جھکائے کھڑا رہا' صاحب اپنا فیصلہ سنانے کے بعد پھر سے اپنے کام میں لگ گئے تھے اور ان کا خیال تھا کہ دانش چلا گیا ہوگا' کچھ دیر بعد انہوں نے گردن اٹھائی تو دانش ابھی تک وہیں کھڑا تھا۔

''تم ابھی تک یہیں کھڑے ہو؟'' ''گئے نہیں؟'' صاحب نے حیران ہو کر دریافت کیا۔

''اصل میں سر' میں کچھ کہنا چاہ رہا تھا۔'' دانش نے ڈرتے ڈرتے بمشکل بات کی۔

''اب اور کیا کہنا چاہتے ہو؟''
''سر......میں......وہ......''
''جو بھی کہنا چاہتے ہو جلدی سے کہو' مجھے اور بھی بہت سے کام کرنے ہیں۔''
''سر میں آپ کو بتانا چاہ رہا تھا کہ مجھے کن حالات کی وجہ سے مجبوراً چھٹی لینا پڑ رہی ہے۔''
''یہ تو میں تم سے خود کہہ چکا ہوں' مگر تم اس معاملے میں کچھ کہنا ہی نہیں چاہتے تو ظاہر ہے تم سے زبردستی تو پوچھا نہیں جا سکتا۔''
''وہ سر' میرے ذرا سا گھر لیٹ پہنچنے پر آئے دن گھر میں خوامخواہ بدمزگی ہو جایا کرتی تھی' ایک دن بات کچھ زیادہ ہی بڑھ گئی اور ہمارے درمیان یہ طے پایا کہ ہم آپس میں ڈیوٹیز بدل لیں' یعنی وہ جاب کرلے اور میں گھر کی ذمہ داریاں سنبھال لوں' میرا خیال تھا کہ وہ آفس میں جاب نہیں کر پائے گی اور جلد ہی تنگ آ کر دوبارہ گھر داری سنبھال لے گی' اسی لیے میں نے ایک ماہ کی چھٹی لی تھی' میں نے سوچا تھا کہ اس ماہ کے دوران وہ پھر سے گھر کی ذمہ داریاں سنبھال لے گی۔ آج ایک ماہ گزر گیا مگر ایسا کچھ نہیں ہوا' لیکن امید ہے کہ جلد ہی ہم اس بارے میں پھر سے کچھ نہ کچھ فیصلہ کرلیں گے۔''
''میں اس طرح کے تجربے کے لیے چھٹی دینے کو ہرگز تیار نہیں۔''
''سر پلیز' بس ایک بار' اس کے بعد پھر کبھی میں چھٹی کے لیے کہوں تو بے شک نہ دیجئے گا۔'' دانش نے رُک رُک کر بات کرتے ہوئے التجا کی' مگر صاحب پر کوئی اثر نہ ہوا اور فوراً بولے۔
''یہ آفس ہے کوئی مذاق نہیں...... میں اس طرح کے تجربات کے لیے اجازت نہیں دے سکتا۔ اگر تم کل ڈیوٹی پر آ جاؤ تو ٹھیک' ورنہ اپنے آپ کو فارغ سمجھو۔''
صاحب نے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا' اس لیے وہ خاموشی سے وہاں سے باہر نکل آیا' وہ کافی دیر بعد صاحب کے کمرے سے باہر آیا تھا' وہ جب سے گیا تھا شاہد بے چینی سے اپنی سیٹ پر بیٹھا اس کی راہ دیکھ رہا تھا۔
''اتنی دیر لگا دی' سب ٹھیک تو ہے ناں؟'' دانش کو دیکھتے ہی شاہد نے فوراً دریافت کیا۔
دانش انتہائی غصے میں تھا اور چیخ چیخ کر اپنے دل کی کیفیت بیان کرنا چاہتا تھا' مگر دوسرے اسٹاف ممبران کے سامنے وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا' اس لیے خاموشی سے علی کو لیے چل پڑا۔
''ہوا کیا ہے؟'' کچھ بتاؤ تو سہی۔'' شاہد نے دانش کو جاتے ہوئے دیکھ کر کہا۔
''جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا' اب کہنے کو کیا رہ گیا ہے؟''
''لگتا ہے صاحب نہیں مانے؟''
''انہوں نے مجھے نوکری سے فارغ کر دیا ہے اور یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔''
''میں نے ایسا کیا کیا ہے؟''
''آج مجھے جو دن دیکھنا پڑ رہا ہے' یہ سب تمہارے مشوروں کا ہی نتیجہ ہے۔''
''میں نے اپنی طرف سے سوچ سمجھ کر ہی مشورہ دیا تھا' مجھے کیا معلوم تھا کہ اس طرح کے حالات ہو جائیں گے۔''
''خیر قصور جس کا بھی ہو' اب تو جو ہونا تھا وہ ہو گیا' پھر بھی دیکھتا ہوں کہ اس سلسلے میں کیا کیا جا سکتا ہے۔'' دانش نے بات کی اور علی کو ساتھ لیے چل پڑا۔
شاہد اسے روکنے کے لیے آوازیں دیتا رہا مگر وہ رکے بغیر وہاں سے نکل گیا' وہ انتہائی پریشانی کے عالم میں تھا مگر اس وقت اسے اور باتوں سے زیادہ اس بات کی فکر ہو رہی تھی کہ عمر اسکول سے واپس آ کر کہیں باہر نہ کھڑا ہو جائے' وہ کسی بھی طرح جلد از جلد گھر پہنچ جانا چاہتا تھا تا کہ وہ عمر کے گھر آنے سے پہلے وہاں پہنچ جائے اور اگر وہ واپس آ بھی گیا ہو تو اسے زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑے۔
وہ گھر پہنچا تو وہی ہوا تھا جس کا اسے ڈر تھا' عمر اپنا اسکول بیگ کندھوں پر لٹکائے پریشانی کی حالت میں گھر کی دیوار سے لگ کر کھڑا تھا' جیسے ہی عمر کی نظر ان دونوں پر پڑی اس نے سکھ کا سانس لیا۔
''آپ کہاں چلے گئے تھے پاپا؟'' میں کب سے یہاں کھڑا انتظار کر رہا ہوں۔'' عمر نے ان دونوں کے قریب آتے ہی سوال کیا۔

’’بس بیٹا ایک ضروری کام کے لیے باہر گیا تھا...... آپ کو زیادہ انتظار تو نہیں کرنا پڑا؟‘‘ دانش نے لاک کھولتے ہوئے بات کی۔

’’بہت زیادہ دیر تو نہیں ہوئی...... لیکن پاپا کچھ نہ پوچھیں اس بیگ کی وجہ سے میرے کندھوں میں کس قدر درد ہو رہا ہے۔‘‘ عمر نے کندھوں سے بیگ اتار کر صوفے پر رکھتے ہوئے کہا۔

’’اچھا اب آپ ایسا کرو‘ جلدی سے یونیفارم چینج کرلو‘ میں کھانا نکالتا ہوں۔‘‘

پاپا کی بات سنتے ہی عمر نے اپنا بیگ اٹھایا اور کمرے میں چلا گیا‘ عمر کے جانے کے بعد دانش نے علی کے لیے ٹی وی لگا دیا اور خود کچن میں چلا گیا‘ دانش آئندہ کے لیے کوئی لائحہ عمل طے کرنا چاہتا تھا مگر کھانا کھانے کے بعد دونوں بچے ٹی وی دیکھنے لگے تھے‘ جبکہ دانش چاہتا تھا کہ وہ ٹی وی دیکھنے کی بجائے سو جائیں تاکہ وہ سکون سے تنہا بیٹھ کر کچھ سوچ سکے۔

بچوں کو ٹی وی کے سامنے سے اٹھانا بھی کوئی آسان کام نہیں تھا‘ وہ چاہتا تو ان دونوں کو سکون سے بیٹھا ٹی وی دیکھتے رہنے دیتا اور خود بیڈ روم میں جا کر سکون سے سوچ سکتا تھا لیکن ساتھ ہی ساتھ اسے اس بات کی بھی فکر تھی کہ اگر وہ دوپہر کو نہ سوئے تو فریال آفس سے آنے کے بعد خوامخواہ ناراض ہو گی۔

بچوں کو ٹی وی کے سامنے سے اٹھا کر لے جانا کافی مشکل مرحلہ تھا مگر کسی نہ کسی طرح یہ مرحلہ طے ہو گیا‘ دانش خود بھی ان دونوں کے ساتھ ہی بیڈ پر آلیٹا تھا‘ بیڈ روم میں آنے سے قبل وہ دونوں ہی بضد تھے کہ ان کو نیند نہیں آرہی لیکن بیڈ پر لیٹنے کے کچھ ہی دیر بعد وہ سو گئے تھے‘ بچوں کے سونے کے بعد دانش وہیں لیٹا تمام معاملات پر غور کرنے لگا تھا۔

فریال کی شکی طبیعت اور شاہد کے مشوروں کی وجہ سے وہ بری طرح الجھ کر رہ گیا تھا‘ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ حالات کبھی یہ رخ اختیار کرلیں گے جہاں سے بچ نکلنے کی کوئی راہ دکھائی نہیں دے گی‘ وہ دیر تک آفس اور گھر کے معاملات کے بارے میں غور کرتا رہا‘ وہ جیسے جیسے سوچتا تھا‘ اس کا دماغ بھاری ہوتا جاتا تھا مگر کوئی بھی فیصلہ نہیں ہو پا رہا تھا‘ وہ مسلسل سوچتا رہا‘ اسے کسی الجھن کا کوئی حل تو نہ ملا مگر سوچتے سوچتے اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔

وہ گہری نیند سو رہا تھا‘ اس لیے دروازے پر ہونے والی مسلسل بیل اور دروازہ پیٹے جانے کی آواز بھی اسے جگانے میں ناکام رہی تھی‘ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ فریال کو کسی روز ایک سے دوسری بار بیل بجانا پڑی ہو‘ وہ جیسے ہی بیل بجاتی‘ دانش فوراً دروازہ کھول دیا کرتا تھا۔

فریال کچھ دیر تک یہ سوچ کر بار بار بیل بجاتی رہی کہ شاید اس بار گھنٹی کی آواز دانش کے کانوں میں پڑ جائے‘ وہ جانتی تھی کہ ایسا ہو نہیں سکتا کہ اس وقت دانش اکیلا یا بچوں کے ساتھ کہیں باہر چلا جائے‘ وہ دروازے پر پریشان کھڑی تھی‘ گلی میں آتے جاتے لوگ اسے عجیب نظروں سے گھورتے ہوئے گزر رہے تھے‘ ساتھ کے ایک دو گھر والوں نے بھی باہر نکل کر دیکھا تھا‘ اس لیے وہ ساتھ والے ہمسایوں کے ہاں چلی گئی تھی تاکہ کچھ دیر کے لیے ان کے ہاں بیٹھ کر انتظار کرلیا جائے۔

دانش اس بات سے بے خبر تھا کہ فریال کئی بار بیل بجانے اور دروازہ پیٹنے کے بعد ہمسایوں کے ہاں جا بیٹھی ہے‘ اچانک اس نے کروٹ لی تو اس کی نظر وال کلاک پر پڑی تو وہ ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھ بیٹھا‘ وہ منہ ہاتھ دھو کر ٹی وی لاؤنج میں آبیٹھا اور فریال کا انتظار کرنے لگا‘ فریال کو اب تک آفس سے واپس آجانا چاہیے تھا لیکن وہ نہیں آئی تھی‘ بار بار اس کی نظر گھڑی پر پڑتی تھی‘ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا‘ اس کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی‘ کچھ دیر بعد دونوں بچے بھی اٹھ کر اس کے پاس ہی آبیٹھے تھے‘ مگر فریال ابھی تک نہیں پہنچی تھی۔

فریال کو جاب کرتے ہوئے ایک ماہ ہو گیا تھا‘ اس دوران وہ کئی بار آفس سے گھر لیٹ پہنچی تھی لیکن دانش نے کبھی ایک بار بھی اس سے لیٹ آنے کی وجہ دریافت نہیں کی تھی‘ آج پھر وہ لیٹ تھی‘ اس لیے موقع اچھا تھا‘ اس کے لیٹ آنے کو بہانہ بنا کر جھگڑا کھڑا کیا جا سکتا تھا اور یوں بآسانی پھر سے ذمہ داریاں بدل کر اپنی اپنی پچھلی ذمہ داریوں پر واپس آیا جا سکتا تھا‘ یہ خیال آتے ہی دانش کے چہرے پر ہلکی ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی اور پھر وہ اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے منصوبہ بندی کرنے میں لگ گیا تھا۔

کچھ دیر بعد دروازے کی گھنٹی بج اٹھی تھی‘ گھنٹی کی آواز سنتے ہی دانش کو گدگدی سی محسوس ہوئی تھی‘ اسے یوں لگا جیسے کسی نے گھنٹی نہیں بجائی اسے گدگدایا ہو‘ وہ فوراً اٹھا اور دروازہ کھول دیا۔

’’کیا بات ہے...... تم کہیں گئے ہوئے تھے؟‘‘ فریال نے آتے ہی تلخ لہجے میں سوال کیا۔

’’میں نے کہاں جانا تھا‘ میں تو یہیں تھا۔‘‘

’’پھر تم نے دروازہ کیوں نہیں کھولا؟‘‘

’’تمہاری پہلی ہی بیل پر تو کھول دیا ہے۔‘‘

’’میں اب کی بات نہیں کر رہی‘ تقریباً ایک گھنٹہ قبل میں نے مسلسل کئی بار بیل دی اور دروازہ پیٹا‘ مگر تم پتہ نہیں کہاں تھے۔‘‘ فریال نے غصے سے بات کی۔

فریال کی بات سن کر دانش کی ساری کی ساری پلاننگ دھری کی دھری رہ گئی تھی اور کھسیانی سی ہنسی ہنستے ہوئے بولا ’’کمال ہے کئی بار بیل بجانے اور دروازہ پیٹنے پر بھی میری آنکھ نہیں کھلی۔‘‘

’’اس کا مطلب ہے تم سو گئے تھے‘ اسی لیے صفائی کی ہوئی بھی دکھائی نہیں دے رہی۔‘‘

’’ہاں آج صفائی تو واقعی نہیں ہوسکی۔‘‘

’’کھانا بھی بنایا ہے یا آج کھانے کی بھی چھٹی ہے؟‘‘

’’بس بچوں کو سلانے کے لیے ان کے ساتھ لیٹا تھا اور آنکھ لگ گئی تھی اسی لیے آج کھانا بھی نہیں بنا۔‘‘ دانش نے شرمندگی سے بچنے کے لیے ہلکا ہلکا سا مسکراتے ہوئے بات کی۔

’’تم تو کہا کرتے تھے گھر میں کوئی کام ہی نہیں ہوتا...... مگر دیکھ لو اس ایک ماہ میں ہی تم نے گھر کا کیا حال بنا ڈالا ہے‘ ابھی تو میں چھٹی کے روز گھر کے کئی کام خود نمٹا دیتی ہوں ورنہ گھر کباڑ خانہ ہی بن کر رہ جاتا۔‘‘ فریال نے تلخی سے بات کی اور بیڈروم میں چلی گئی۔

فریال کے لیٹ آنے پر جھگڑا کر کے کسی نہ کسی طرح گھر کی ذمہ داریاں پھر سے اس کے حوالے کرنے کا جو پلان دانش نے بنایا تھا وہ بری طرح فلاپ ہو گیا تھا‘ اب اسے پھر سے آفس جوائن کرنے کا خواب ٹوٹتا ہوا صاف دکھائی دینے لگا تھا‘ اس لیے وہ خاموشی سے اٹھا اور اپنے ساتھ ساتھ شاہد کو کوستا ہوا کچن میں جا کھڑا ہوا۔

جب کچھ خواب ٹوٹنے لگتے ہیں تو انسان نئے خواب بننے لگتا ہے‘ دانش عجیب کیفیت سے دوچار تھا‘ وہ حقائق چھپانا بھی نہیں چاہتا تھا اور بتانا بھی مشکل تھا‘ وہ دونوں بظاہر پاس پاس ہی تھے مگر ان کے درمیان کسی بھی موضوع پر گفتگو نہیں ہوئی تھی۔

......☆☆☆......

فریال روز کی طرح معمول کے مطابق گھر سے نکلی تھی‘ مگر جو بھی وین آرہی تھی‘ وہ سواریوں سے بھری ہوئی ہوتی تھی‘ اس لیے اسے کچھ دیر تک سٹاپ پر ہی کھڑا ہونا پڑا تھا‘ جس کی وجہ سے وہ آفس سے لیٹ ہوگئی تھی۔

’’تم آج پھر لیٹ ہو...... باس دوبار تمہارے بارے میں پوچھ چکے ہیں۔‘‘ زارا نے فریال کو دیکھتے ہی اطلاع دی۔

’’یہ باس آج صبح ہی صبح کہاں سے آگئے؟‘‘ فریال نے سرگوشی کی۔

’’وہ اس آفس کے مالک ہیں‘ جب چاہیں آئیں‘ وہ ہماری طرح تو نہیں ہیں ناں‘ چاہے آندھی آئے یا طوفان ہر حال میں وقت پر آفس پہنچنا ہے۔‘‘

’’ویسے یار یہ باس بھی عجیب مخلوق ہوتے ہیں‘ خود جس وقت دل چاہے آئیں کوئی مسئلہ ہی نہیں‘ اور اگر ہم لوگ کسی وجہ سے چند منٹ بھی لیٹ ہو جائیں تو انکوائری شروع ہو جاتی ہے۔‘‘

’’اسی لیے تو کہتی ہوں...... اگر جاب کرنی ہے تو میرے سنہرے اصولوں پر عمل کرو۔‘‘

’’یار آج تم اپنے وہ سنہرے اصول بتا ہی دو۔‘‘

’’وہ بھی بتا دوں گی‘ فی الحال تم باس کے پاس ہو کر آؤ‘ تاکہ انہیں بھی معلوم ہو جائے کہ تم آگئی ہو۔‘‘

فریال اس سے قبل بھی ایک دوبار آفس لیٹ پہنچی تھی‘ لیکن چونکہ باس آفس لیٹ ہی آتے تھے‘ اس لیے ان کے سامنے پیشی نہیں ہوئی تھی‘ آج پہلا موقعہ تھا کہ اسے لیٹ آنے پر باس کے سامنے حاضر ہونا پڑ رہا تھا‘ اس لیے وہ بہت گھبرائی ہوئی تھی۔

’’سر میں اندر آسکتی ہوں؟‘‘ فریال نے باس کے کمرے کا دروازہ ہلکا سا بجا کر کھولتے ہوئے اجازت طلب کی۔

’’آئیے مس فریال۔‘‘

’’تھینک یو سر۔‘‘

’’کیا بات ہے مس فریال......آج آپ آفس لیٹ آئی ہیں؟‘‘
’’سوری سر۔‘‘
’’وقت پر آیا کریں مس فریال‘ مجھے لیٹ آنے والے لوگ سخت ناپسند ہیں۔‘‘ باس نے قدرے سخت لہجے میں بات کی۔
’’سر میں گھر سے وقت پر ہی نکلی تھی‘ لیکن وین نہ ملنے کی وجہ سے کچھ دیر ہوگئی۔‘‘
’’ٹھیک ہے اپنی سیٹ پر بیٹھیں اور آئندہ وقت پر آنے کی کوشش کیا کریں۔‘‘
’’جی سر۔‘‘ فریال نے بات کی اور فوراً کمرے سے نکل گئی۔
باس کے پاس جانے سے قبل فریال بری طرح سہمی ہوئی تھی اور دل میں سوچ رہی تھی کہ نہ جانے لیٹ آنے پر باس کا رویہ کیسا ہوگا‘ اسے نہ جانے کیا کیا باتیں سننا پڑیں گی‘ لیکن باس کی نظر میں وہ پہلی بار لیٹ ہوئی تھی‘ اس لیے باس کا رویہ کچھ زیادہ سخت نہیں تھا اور انہوں نے ہلکی سی وارننگ کے بعد اسے جانے دیا تھا۔
زارا نے ایک دو بار پہلے بھی اپنے سنہرے اصولوں کے بارے میں بات کی تھی‘ لیکن فریال نے کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی اور سنی ان سنی کر دی تھی‘ آج اس کے لیٹ آنے پر زارا نے پھر سے اپنے سنہرے اصولوں کا ذکر کیا تھا‘ وہ باس کے سامنے حاضر ہونے کے بعد اپنی سیٹ پر آ بیٹھی تھی مگر اس کا ذہن زارا کے سنہرے اصولوں میں الجھا ہوا تھا‘ فریال کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اسی وقت اپنی سیٹ سے اٹھے اور زارا سے اس کے سنہرے اصولوں کے متعلق پوچھے‘ مگر وہ ایسا نہیں کرسکتی تھی کیونکہ باس آفس میں موجود تھے اور وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی لیٹ آنے پر ان کے سامنے پیش ہوکر آئی تھی‘ وہ ڈر رہی تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ زارا کے پاس کھڑی باتیں کررہی ہو اور باس اپنے کمرے سے نکل آئیں اور انہیں باتیں کرتے دیکھ کر ناراض ہوں‘ زارا کے ساتھ بات کرنے کے لیے لنچ ٹائم بہت بہترین تھا‘ وہ دونوں ایک ساتھ ہی لنچ کیا کرتی تھیں اور اس دوران باآسانی بات کی جاسکتی تھی۔
فریال نے زارا کے سنہرے اصولوں کو اب تک کوئی اہمیت نہیں دی تھی‘ مگر اب وہ ان اصولوں کے بارے میں جاننے کے لیے بے چین ہو رہی تھی‘ باس کے کمرے سے آنے کے بعد فریال اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھ گئی تھی‘ اس لیے زارا یہ نہیں جان پائی تھی کہ لیٹ آنے پر باس کا کیا ردعمل تھا۔
’’سناؤ پھر آج باس سے خوب جھاڑیں پڑیں؟‘‘ لنچ بریک کے دوران فریال کے آتے ہی زارا نے دریافت کیا۔
’’باس کے کمرے میں جانے سے پہلے میں بہت ڈری ہوئی تھی‘ میں سوچ رہی تھی کہ نہ جانے باس کیا کیا باتیں سنائیں گے۔‘‘
’’یہ تو بتاؤ ہوا کیا؟‘‘ زارا نے فریال کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔
’’وہی تو بتا رہی ہوں۔‘‘
’’اچھا اچھا......جلدی جلدی بتاؤ۔‘‘
’’باس نے کچھ زیادہ تو نہیں سنائیں مگر آئندہ کے لیے وارننگ دے دی ہے۔‘‘
’’اگر تم نے میرے سنہرے اصول اپنائے ہوتے تو اول تو تم کبھی لیٹ ہی نہ ہوتی اور اگر کبھی لیٹ ہو بھی جاتی تو باس کی باتیں سننے کی بجائے ان کی ہمدردیاں سمیٹتی۔‘‘
’’آج تم مجھے وہ سنہرے اصول بتا ہی دو۔‘‘
’’وہ میرے سنہرے اصول ہیں‘ کوئی عام سی بات نہیں جو تمہیں آسانی سے بتا دوں۔‘‘
’’اچھا زیادہ نخرے نہ دکھاؤ اور جلدی سے مجھے بتا دو۔‘‘
’’میرے برسوں کے مشاہدے کا نچوڑ ہیں وہ سنہرے اصول‘ ایسے تھوڑے ہی بتا دوں گی۔‘‘
’’تو اس کے لیے کیا تمہارے پاؤں پڑنا پڑے گا۔‘‘
’’پاؤں پڑنے کی ضرورت نہیں میری جان‘ کچھ کھلاؤ پلاؤ‘ کچھ خدمت کرو‘ پھر ہی جان پاؤ گی وہ گولڈن اصول۔‘‘
’’تم بتاؤ تو سہی یار......جو کھانا ہے کھا لینا۔‘‘
’’نہیں بھئی‘ اس معاملے میں کوئی ادھار نہیں‘ وہ کہتے ہیں ناں پہلے پیٹ پوجا پھر کام دوجا۔‘‘

''یہ لو پیسے، جو منگوانا ہے منگوا لو۔'' فریال نے اپنے ہینڈ بیگ میں سے سو کا نوٹ نکال کر زارا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''یہ ہوئی ناں بات...... اب بتانے کا بھی مزا آئے گا۔''

''اب تو پیسے تمہارے ہاتھ میں ہے۔تم جو چاہو منگوا کر کھا سکتی ہو،اب تو بتا دو۔''

فریال سے سو کا نوٹ لینے کے باوجود زارا اسے وہ بات بتانے کے لیے تیار نہیں تھی جن کو اس نے اپنے سنہرے اصولوں کا نام دے رکھا تھا،اس لیے فریال منت سماجت پر اتر آئی تھی۔

''فی الحال تو ہم نے لنچ بھی کر لیا ہے اور لنچ ٹائم بھی ختم ہونے والا ہے اس لیے یہ کام کل پر چھوڑتے ہیں۔'' زارا نے فریال کو پچکارتے ہوئے کہا۔

ایک ذرا سی بات بتانے کے لیے زارا اتنے نخرے دکھا رہی تھی کہ فریال کو چڑ ہونے لگی تھی، وہ بظاہر خاموش ہو گئی تھی لیکن دل میں سوچنے لگی تھی کہ پتہ نہیں وہ اسے بیوقوف بنا رہی تھی یا پھر اگر ایسی کوئی بات ہے بھی تو خوامخواہ جان بوجھ کر نخرے دکھا رہی تھی، اگلے ہی لمحے فریال نے وہاں سے اٹھ جانے کا پروگرام بنا لیا اور دل میں یہ طے کر لیا کہ اب وہ اس وقت تک زارا سے کوئی سوال نہیں کرے گی جب تک وہ خود نہ بتا دے۔

''ٹھیک ہے پھر کل سہی......'' فریال نے اٹھتے ہوئے کہا اور زارا کا جواب سنے بغیر اپنی سیٹ پر جا بیٹھی۔

زارا کے بنائے ہوئے اصولوں کے بارے میں جاننے کے لیے فریال کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی، وہ اپنی سیٹ پر آنے کے بعد بھی بار بار انہی اصولوں کے بارے میں سوچتی رہی تھی اور رات کو بیڈ پر لیٹی دیر تک انہی باتوں کے بارے میں سوچتی رہی، وہ کوشش کے باوجود ابھی تک کچھ جان نہیں پائی تھی مگر اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب وہ خود بتا دے تو بتا دے، ورنہ وہ نہیں پوچھے گی۔

پروگرام کے مطابق روز کی طرح فریال اور زارا گھر سے لنچ نہیں لائی تھیں اور یہ طے پایا تھا کہ فریال کے دیے ہوئے سو روپے کا لنچ ٹائم میں کچھ نہ کچھ کھانے کے لیے منگوا لیا جائے گا۔

زارا کا خیال تھا کہ لنچ ٹائم میں فریال کے پوچھنے پر وہ پہلے تو کچھ اور نخرے دکھائے گی پھر وہ باتیں بتا دے گی جن کو زیادہ اہمیت دینے کے لیے اس نے انہیں سنہرے اصولوں کا نام دے رکھا تھا، مگر وہ حیران تھی کہ سو کا نوٹ خرچ کرنے کے باوجود بھی فریال نے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔

''لو بھئی، پیٹ پوجا تو ہو گئی اور اپنے وعدے کے مطابق اب میں اپنے وہ سنہرے اصول بتانے لگی ہوں۔'' کھانے سے فارغ ہوتے ہی زارا نے مسکراتے ہوئے بات کی۔

''میں نے تمہاری خواہش پوری کر دی ہے۔اب اگر تم پسند کرو تو بتا دو،ورنہ جیسی تمہاری خوشی۔'' فریال نے انتہائی سنجیدگی سے بات کی۔

''بس اب ادھر ادھر کی فالتو باتیں بند اور غور سے اور انہیں اچھی طرح نہ صرف اپنے پلے باندھ لو بلکہ دماغ میں ڈال لو،اور یہ یاد رکھنا یہ کوئی عام سے اصول نہیں، یہ میرے کئی سالوں کی جاب کے دوران حاصل کیے ہوئے تجربات کا نچوڑ ہیں۔''

''تم بتاؤ میں پوری توجہ سے سن رہی ہوں۔''

''تو سنو پہلا اصول...... جب بھی موقع ملے باس پر مسکراہٹوں کے پھول برساؤ، دوسرا اصول، آفس میں سب سے ملو مگر کسی سے بھی پیار کی پینگیں نہ بڑھاؤ اور اب سنو تیسرا اور انتہائی اہم اصول، کم از کم ایک الو کا پٹھا اپنے قبضے میں ضرور رکھو۔''

فریال اب تک خاموشی سے زارا کی باتیں سن رہی تھی اور وہ باتیں فوری طور پر اس کی سمجھ میں بھی آ گئی تھیں لیکن الو کے پٹھے والی بات اس کے اوپر سے گزر گئی تھی، اس لیے فوراً بولی۔

''یہ الو کے پٹھے والی بات مجھے سمجھ نہیں آئی، کیا تم اس پر کوئی روشنی ڈال سکتی ہو؟''

''کچھ روشنی نہیں بلکہ جس قدر کہو روشنی ڈالنے کو تیار ہوں، آخر ابھی ابھی تمہارا نمک کھایا ہے اور میں نمک حرامی نہیں کر سکتی۔'' زارا نے انتہائی سیریس ہو کر بات کی۔

''بڑی مہربانی ہے جناب کی۔''

''ویسے الو کا پٹھا اتنی مشکل اصطلاح تو نہیں، پھر بھی تم پوچھتی ہو تو سنو،اس سے مراد ہے کوئی ایسا شخص جو تمہارے اشاروں پر ناچنے کے

لیے ہر پل تیار ہو اسے ہر حال میں صرف اور صرف تمہاری خوشی عزیز ہو اور وہ ہر گھڑی تمہارے لیے اپنا سب کچھ لٹانے سے بھی پیچھے نہ ہٹے۔‘‘

.......☆☆☆.......

کاشف سے اتفاقیہ ملاقات ہوئی تھی‘ فریال نے سوچا بھی نہیں تھا کہ اس سے اب پھر کبھی ملاقات ہوگی‘ مگر حیران کن بات یہ تھی کہ اگلے روز وہ اس کے بس اسٹاپ پر پہنچنے سے پہلے بس اسٹاپ کے پاس ہی گاڑی میں بیٹھا اس کے انتظار میں تھا‘ فریال نے اسے دیکھ لیا تھا مگر جان بوجھ کر اسے توجہ دیے بغیر انجان بن کر یوں کھڑی ہوگئی تھی جیسے اس نے اسے دیکھا ہی نہیں تھا۔

پچھلے ایک گھنٹے سے کاشف وہاں کھڑا تھا اور ہر آنے جانے والے پر نظر رکھے ہوئے تھا‘ جیسے ہی اس کی نگاہ فریال پر پڑی وہ گاڑی سے نکل کر فریال کے قریب آگیا۔

’’آئیں گاڑی میں بیٹھ جائیں۔ میں آپ کو ڈراپ کردوں گا۔‘‘ کاشف نے فریال کے پاس آتے ہی بلاتمہید بات کی۔

فریال کے وہم وگمان بھی نہ تھا کہ وہ پھر سے ملے گا‘ اور آتے ہی اپنے ساتھ چلنے کی دعوت بھی دے دے گا‘ یہ سب اس قدر اچانک ہوا تھا کہ اسے سنبھلنے کا موقع بھی نہ ملا۔

’’شکریہ۔‘‘ فریال نے گھبراہٹ کے عالم میں آہستہ سے جواب دیا۔

’’میں نے آپ کو خاص طور پر تو لے کر نہیں جانا۔ جہاں آپ کو جانا ہے‘ میرا بھی وہی راستہ ہے۔‘‘

’’دیکھیں اس روز کی اور بات تھی‘ میری مجبوری تھی‘ اس لیے میں آپ سے خود لفٹ لے کر چلی گئی تھی مگر آج ایسی کوئی مجبوری نہیں‘ اس لیے میں وین میں چلی جاؤں گی۔‘‘

’’میرا خیال ہے یہاں بس اسٹاپ پر لوگوں کے سامنے اس قدر وضاحتیں پیش کرنا مناسب نہیں‘ فی الحال آپ میرے ساتھ گاڑی میں چلیں پھر جتنی بھی دلیلیں پیش کرنی ہوں کرلیجیے گا۔‘‘ کاشف نے بات کی اور فریال کا جواب سنے بغیر گاڑی کی طرف چل پڑا۔

بات کرنے کے بعد کاشف اس قدر وثوق کے ساتھ گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا جیسے اسے مکمل یقین تھا کہ وہ بھی اس کے پیچھے چلی آئے گی‘ فریال کچھ دیر تک اسے جاتے ہوئے دیکھ کر سوچتی رہی کہ ایسے میں وہ کیا کرے‘ کچھ لمحے اسی سوچ میں گزر گئے تھے‘ پھر اس کے قدم اٹھ گئے اور وہ گاڑی کی طرف بڑھنے لگی۔

کاشف ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا تھا‘ فریال نے بھی گاڑی کا پچھلا گیٹ کھولا اور گاڑی میں بیٹھ گئی‘ اس کے بیٹھتے ہی گاڑی چل پڑی تھی مگر وہ دونوں ہی خاموش تھے‘ وہ دونوں ہی شاید اس انتظار میں تھے کہ دوسرا بات کرے‘ سفر طے ہو رہا تھا مگر ابھی تک خاموشی تھی۔

’’اب کہیے کیا کہنا چاہتی تھیں آپ؟‘‘ کاشف نے خاموشی توڑتے ہوئے بات کی۔

’’آج تو میں آپ کے کہنے پر گاڑی میں آبیٹھی ہوں‘ کیونکہ میں وہاں بس اسٹاپ پر کھڑا تماشہ نہیں بننا چاہتی تھی‘ لیکن میں چاہتی ہوں کہ آئندہ ایسا نہ ہو۔‘‘

’’مگر اس میں حرج کیا ہے؟‘‘

’’میں نے جو کہنا تھا وہ کہہ دیا اور میں جانتی ہوں کہ یقیناً آپ میری بات پوری طرح سمجھ بھی گئے ہوں گے‘ اس لیے امید ہے کہ آپ اس سلسلے میں مزید وضاحت نہیں مانگیں گے۔‘‘

’’اوکے میڈم‘ جیسی آپ کی خوشی‘ ویسے میں ہر روز تقریباً اسی وقت یہاں سے گزرتا ہوں‘ اگر کسی روز میرے ساتھ سفر کرنا چاہیں‘ بے شک مجبوری سے ہی سہی‘ اشارہ کردینا‘ مجھے خوشی ہوگی۔‘‘ کاشف نے شیشے میں دیکھتے ہوئے بات کی اور پھر خاموشی سے ڈرائیونگ کرنے لگا‘ پھر اس کے بعد ان دونوں میں مسلسل خاموشی رہی تھی اور راستے میں انہوں نے کوئی بات نہیں کی تھی‘ یہ ان دونوں کی آخری ملاقات تھی‘ پھر اس کے بعد انہوں نے ایک دوسرے کو نہیں دیکھا تھا۔

.......☆☆☆.......

زارا کی باتیں سیدھی فریال کے دل کو لگی تھیں اور وہ اٹھتے بیٹھتے ان پر غور کرنے لگی تھی‘ وہ ایک دو ملاقاتوں میں ہی جان چکی تھی کہ کاشف کا تعلق کسی شریف اور کھاتے پیتے گھرانے سے ہے‘ ہر روز اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر جانا کسی طرح بھی مناسب نہیں تھا مگر کبھی کبھار

مجبوری میں اس سے لفٹ لینے میں کوئی حرج نہیں تھا' وہ ایسا چاہتی تھی مگر ایک انجانا سا خوف تھا جو اسے ایسا کرنے سے روکے رکھتا تھا' ویسے بھی اس کے پاس کاشف کا کوئی رابطہ نمبر بھی نہیں تھا' اس لیے اس نے دل میں پیدا ہونے والے تمام خیالات کو جھٹک دیا تھا اور معمول کے مطابق وین میں ہی آفس آنے جانے لگی تھی۔

اس روز لوڈشیڈنگ کی وجہ سے احتجاج کے طور پر ٹائر جلا کر شہر میں ہر طرف سڑکیں بلاک کردی گئی تھیں اور گاڑیوں کی توڑ پھوڑ کا سلسلہ بھی زوروں پر تھا' جس کی وجہ سے سڑکوں پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھی' وہ ان تمام حالات سے بے خبر معمول کے مطابق آفس سے نکلی تھی' مگر بس سٹاپ پر پہنچ کر اسے حالات کی نزاکت کا علم ہوا تھا' لوگ بے بسی کے عالم میں سواری کے انتظار میں کھڑے تھے' کاشف شاید ایسے ہی کسی دن کے انتظار میں تھا' فریال کو بس اسٹاپ پر آئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ اس نے گاڑی اس کے سامنے لا کھڑی کی۔

فریال نے کاشف کو دیکھ لیا تھا مگر جان بوجھ کر انجان بنی ادھر ادھر دیکھنے لگی تھی' وہ گاڑی سے نکل کر فریال کے پاس آ کھڑا ہوا اور بولا۔

''آئیں میڈم...... میں آپ کو ڈراپ کردوں گا۔''

''آپ کو زحمت ہوگی میں خود چلی جاؤں گی۔''

''ضد نہ کریں...... آج ٹریفک بالکل بند ہے۔''

''آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں...... میں چلی جاؤں گی۔'' فریال کو کاشف کا آنا اچھا لگ رہا تھا اور اس کے آجانے سے وہ دل ہی دل میں خدا کا شکر بھی ادا کررہی تھی مگر اس کے باوجود جان بوجھ کر نخرے دکھا رہی تھی۔

فریال کی باتیں سن کر کاشف بھی کہاں ٹلنے والا تھا' فوراً بول پڑا ''ٹھیک ہے میڈم...... جیسے آپ کی خوشی' مگر پھر بھی میرے ساتھ جانا چاہیں تو سکون سے گاڑی میں آکر بیٹھ جائیں...... ورنہ...... اللہ حافظ۔''

بات کرتے ہی کاشف ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا تھا' گاڑی پہلے سے ہی اسٹارٹ تھی' فریال کو اس بات کا خدشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو وہ واقعی گاڑی لے جائے اور وہ وہیں کھڑی رہ جائے' اس لیے جلدی سے پچھلا دروازہ کھول کر گاڑی میں بیٹھ گئی' اس کے بیٹھتے ہی کاشف کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی' مگر اس نے کوئی بات کیے بغیر گاڑی چلادی۔

''بھلائی کا تو زمانہ ہی نہیں رہا۔'' کاشف نے پیچھے دیکھے بغیر ہی خود کلامی کے انداز میں بات کی۔

''آپ نے مجھ سے کچھ کہا؟''

''نہیں...... میں بھلا آپ سے کیوں بات کرنے لگا؟...... ہمارے علاوہ جو لوگ اس گاڑی میں بیٹھے ہیں' میں تو ان سے بات کررہا ہوں۔'' کاشف بدستور فریال کو تنگ کرنے کے موڈ میں تھا۔

''لگتا ہے ابھی تک ناراض ہیں؟''

''لڑکے بھلا کہاں ناراض ہوسکتے ہیں' یہ حق تو صرف لڑکیوں کو حاصل ہے۔''

''تو پھر اس قدر اکھڑی اکھڑی باتیں کیوں کررہے ہیں؟''

''بھول ہوگئی میڈم...... آج تو آپکی مشکل کا سوچ کر چلا آیا تھا...... آئندہ کبھی بلانے پر بھی نہیں آؤں گا۔''

''اوہو...... اتنے نخرے۔''

''ہونہہ...... نخرے۔'' کاشف نے گردن کو جھٹکتے ہوئے کہا۔

باتوں کے دوران ہی وہ جگہ آگئی تھی' جہاں فریال کو اترنا تھا' کاشف نے بریک لگا کر سڑک کے ایک طرف گاڑی روک دی تھی' مگر فریال نیچے اترنے کی بجائے وہیں بیٹھی بدستور کاشف کو دیکھے جارہی تھی' کاشف جانتا تھا کہ فریال اسے ہی دیکھ رہی ہے مگر اس کے باوجود منہ پھلائے بیٹھا تھا' اس لیے گاڑی میں مکمل خاموشی تھی۔

''کل مجھے آپ کا انتظار رہے گا۔'' فریال نے خاموشی کو توڑا اور گاڑی کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گئی۔

فریال کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ نے کاشف کی آنکھوں کی چمک بڑھادی تھی اور چہرہ خوشی سے کھل اٹھا تھا' مگر فریال اس مسکراہٹ کو دیکھے بغیر ہی گھر کی طرف چل پڑی تھی' اس کے قدم گھر کی طرف بڑھ رہے تھے اور دماغ اس بات میں الجھ کر رہ گیا تھا کہ اس نے کاشف سے جو کہا' کیا وہ صحیح تھا' یا اسے ایسی کوئی بات نہیں کہنی چاہئے تھی۔

''شہزادی......ایک نظر ادھر بھی دیکھ لو......ہم بھی بہت دیر سے انتظار میں بیٹھے ہیں۔'' یہ الفاظ فریال کے کانوں کے پردوں سے ٹکرائے تو اس نے گردن اٹھا کر دیکھا' وہ چار لڑکے تھے دیوار سے ٹیک لگائے اسے للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے اور اس کے پاس سے گزرنے پر آوازیں کستے تھے' وہ پسینہ پسینہ ہو جاتی تھی مگر کچھ کہے بغیر خاموشی سے آگے بڑھ جاتی تھی' فریال انہیں عموماً بس اسٹاپ پر کھڑے دیکھا کرتی' وہ ہمیشہ کی طرح نظریں جھکائے خاموشی سے آگے بڑھ گئی تھی اور اس نے گھر پہنچ کر دانش سے بھی اس بات کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔

''میرا خیال تھا' آج تم کافی لیٹ ہو جاؤ گی......'' دروازہ کھولتے ہی فریال کو دیکھ کر دانش نے بات کی۔

''یہ تو بھلا ہو اس دوست کا جو یہاں تک چھوڑ گئی......ورنہ جس قدر توڑ پھوڑ اور ہنگامے ہو رہے ہیں' میں جانے کب تک سواری کے انتظار میں وہیں کھڑی رہتی۔'' فریال نے زندگی میں پہلی بار دانش سے کوئی بات چھپاتے ہوئے غلط بیانی سے کام لیا تھا اور ایسا کرتے ہوئے اس کے ماتھے پر ہلکا ہلکا سا پسینہ بھی آ گیا تھا' دانش نے فریال کے ماتھے پر آنے والے پسینے کا کوئی خاص نوٹس نہیں لیا تھا' فریال صوفے پر آ بیٹھی تھی' اور اس نے رومال سے پسینہ بھی صاف کر لیا تھا۔

''تمام ٹی وی چینلز جس طرح صبح سے ہی مشتعل افراد کی طرف سے ٹائروں کو آگ لگا کر سڑکیں بلاک کر دینے کے مناظر دکھا رہے ہیں' وہ سب دیکھ کر تو میں خود پریشان تھا کہ تم گھر کس طرح پہنچ پاؤ گی۔'' دانش نے فریال کی طرف دیکھتے ہوئے بات کی' بات کرتے ہوئے اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمایاں تھے' لیکن فریال کو دانش کی پریشانی محض دکھاوا محسوس ہو رہی تھی' اور وہ دل ہی دل میں سوچنے لگی تھی کہ دانش کے منہ سے نکلنے والی باتیں محض رسمی ہیں' جسے اس کی فکر تھی وہ فوراً گاڑی لے کر وہاں پہنچ گیا تھا۔ فریال نے دانش کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا اور خاموشی سے وہاں سے اٹھ کر چینج کے لیے بیڈ روم میں چلی گئی تھی' دونوں بچے سکون سے سو رہے تھے' اس نے ان دونوں کا ماتھا چوما اور باتھ روم میں گھس گئی' اب اس کے دماغ میں ایک ہی بات بار بار گھوم رہی تھی کہ اس میں اچانک یہ تبدیلی کیوں آئی ہے' کیا جیسا وہ سوچنے لگی ہے' کہیں وہ غلط تو نہیں' وہ اپنے ذہن میں اٹھنے والے خیالات کو بار بار جھٹک دیتی تھی مگر اگلے ہی لمحے پھر وہی خیالات اسے گھیر لیتے تھے' شام سے رات ہو گئی تھی' وہ کھانا کھانے کے بعد بیڈ پر آ لیٹی تھی مگر ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کر پائی تھی' پھر یہی سوچتے سوچتے اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔

آفس میں بھی اسے اسی کیفیت نے گھیر رکھا تھا' کئی بار اس کے دل میں خیال آیا کہ وہ اپنے اندر ہونے والی ٹوٹ پھوٹ کے بارے میں زارا سے شیئر کرے' مگر وہ ایسا نہیں کر پائی تھی' انہی سوچوں میں گم وہ آفس سے نکل کر بس اسٹاپ پر آ کھڑی ہوئی تھی' وہاں کاشف کو نہ پا کر اس کے دل کو ہلکا سا اطمینان محسوس ہوا تھا' مگر اسے تو جیسے دنیا میں کوئی اور دوسرا کام تھا ہی نہیں' ادھر وہ بس اسٹاپ پر آ کر کھڑی ہوئی' ادھر کاشف نے اس کے سامنے گاڑی لا کھڑی کی تھی' اب انکار کی گنجائش کہاں تھی' اس لیے گاڑی رکتے ہی وہ گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی تھی۔

''چلیں میڈم؟'' فریال کے بیٹھنے پر کاشف نے بیک مرر میں دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔

''آپ مجھے میڈم نہ کہا کریں۔''

''آپ بھی مجھے آپ نہ کہا کریں۔''

''اچھا اب چلیں بھی......یا یہیں کھڑے بحث کرتے رہیں گے۔''

فریال کی بات سن کر کاشف نے گاڑی چلا دی تھی' مگر تھوڑی ہی دور جا کر اس نے ایک ریسٹورنٹ کے سامنے بریک لگا دی تھی۔

''اب یہاں کیوں رک گئے؟'' فریال نے قدرے پریشانی کے عالم میں سوال کیا تھا۔

''میں سوچ رہا تھا' آج ہماری دوستی کا پہلا دن ہے' یہاں کی ہائی ٹی کمال کی ہوتی ہے......کیوں نہ دوستی کی شروعات یہیں سے کی جائیں......''

''پھر کسی روز سہی......''

''آپ نے شائد سنا نہیں......آج کا کام کل پر مت ڈالو......'' کاشف نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے پیچھے دیکھ کر بات کی۔

کاشف کی بات نے فریال کو الجھا کر رکھ دیا تھا' وہ ابھی انکار و اقرار کی کیفیت سے نکل نہیں پائی تھی' اس سے پہلے کہ وہ اپنا فیصلہ سناتی'

کاشف نے گاڑی ریسٹورانٹ کے پارکنگ ایریا میں لا کھڑی کی تھی' اب فریال کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ خاموشی سے کاشف کے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی ہوٹل میں جا بیٹھتی' وہ بری طرح کانپ رہی تھی' ایک ہی لمحے میں اس کے چہرے کی رنگت پیلی پڑ گئی تھی' مگر اس نے اپنی یہ کیفیت کاشف پر ظاہر نہیں ہونے دی تھی' تاکہ کہیں وہ اسے کمزور نہ سمجھ بیٹھے۔

ہوٹل میں بہت سے دوسرے لوگوں کی موجودگی سے اسے قدرے تسلی ہوئی تھی' وہ کچھ دیر تک گم صم بیٹھی رہی' پھر کاشف نے اس کے ہاتھ میں پلیٹ تھما دی اور اسے اپنے لیے کھانے کو کچھ ڈال کر لانے کے لیے کہا تھا' یہ ماحول اس کے لیے اجنبی تھا' وہ پہلی بار کسی ہوٹل میں آئی تھی' اس نے ہائی ٹی کے بارے میں تھوڑا بہت سن رکھا تھا مگر اسے یہ علم نہ تھا کہ ہائی ٹی میں ہوتا کیا ہے' کاشف بھی اپنی پلیٹ لیے اس کے ساتھ ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا' اسے دیکھ کر فریال نے بھی شرماتے شرماتے ایک دو اپنی پسند کی چیزیں پلیٹ میں ڈال لی تھیں۔

''میڈم یہ کیا' پلیٹ خالی؟'' کاشف نے فریال کی پلیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

''یہ لی تو ہیں......'' فریال نے پلیٹ دکھاتے ہوئے کہا۔

''کہیں ڈائٹنگ تو نہیں کر رہیں؟''

''نہیں تو۔''

''تو پھر جو چاہیں' جتنا چاہیں' کھل کر کھائیں' کم کھائیں یا زیادہ' پیسے تو انہوں نے اتنے ہی لینے ہیں۔''

فریال نے اس ڈر سے اپنی پلیٹ میں زیادہ چیزیں نہیں ڈالی تھیں کہ کہیں بل زیادہ نہ بن جائے' مگر جب کاشف نے تمام تفصیل بتائی تو وہ اپنی پسند کی مختلف چیزوں سے پلیٹ بھر لائی تھی' تب تک وہ اپنے اندر کے خوف پر بھی قابو پا چکی تھی اور اس کا اعتماد بھی قدرے بحال ہو چکا تھا۔

فریال کی نظر بار بار گھڑی پر پڑ رہی تھی' اس لیے اس کی بے چینی کاشف سے چھپی نہیں رہ سکی تھی' ہائی ٹی سے فارغ ہونے کے بعد وہ زیادہ دیر وہاں نہیں ٹھہرے تھے اور ایک بار پھر گاڑی میں آ بیٹھے تھے' ہمیشہ کی طرح فریال گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی تھی۔

''میڈم۔''

''میڈم نہیں......فریال۔'' کاشف کوئی بات کہنا چاہتا تھا مگر فریال نے اسے ٹوک دیا تھا۔

''جی میڈم۔''

''پھر وہی میڈم...... آئندہ کبھی مجھے میڈم کہا تو جرمانہ ہو جائے گا۔'' فریال نے مصنوعی غصہ دکھاتے ہوئے کہا تھا۔

''او کے......او کے......فریال...... میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ آپ ہمیشہ پچھلی سیٹ پر ہی بیٹھتی ہیں۔''

''تو؟''

''میں آپ کا ڈرائیور تو نہیں ہوں ناں...... کہ آپ بیگمات کی طرح پچھلی سیٹ پر بیٹھیں اور میں گاڑی چلاؤں۔''

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟''

''آپ کو نہیں پڑتا ہوگا لیکن مجھے تو پڑتا ہے ناں۔''

''لیکن میں تو پچھلی سیٹ پر ہی بیٹھوں گی۔''

''ٹھیک ہے......جیسے آپ کی خوشی......'' کاشف نے ٹھنڈی سانس چھوڑتے ہوئے ہتھیار ڈال دیے اور خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کرنے لگا تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں فریال کی منزل آ گئی تھی' اور گاڑی رکنے پر وہ نیچے اتر گئی تھی۔

''یہ تو لیتی جائیں۔'' فریال گاڑی کا دروازہ بند کرنے لگی تھی کہ کاشف کی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔

''آپ نے کچھ کہا؟''

''یہ شاپر لیتی جائیں......'' کاشف نے اپنے برابر والی سیٹ سے ایک شاپر اٹھا کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تھا۔

''اس میں کیا ہے؟'' فریال نے حیران ہو کر سوال کیا۔

''آپ کے لیے کچھ تحائف خریدے تھے' امید ہے آپ کو پسند آئیں گے۔''

”مگر میں یہ نہیں لے سکتی۔“

”کیوں؟“

”بس ایسے ہی۔“

”کیا ایک دوست دوسرے دوست کو تحفہ نہیں دے سکتا؟“

”وہ تو ٹھیک ہے......مگر......“

”کوئی اگر مگر نہیں......یہ آپ کے لیے ہیں اور آپ کو لینے پڑیں گے۔“

کاشف کی بات سن کر فریال نے خاموشی سے شاپر کاشف کے ہاتھوں سے پکڑ لیا اور بولی ”آپ کا شکریہ۔“

”دوستوں میں کوئی شکریہ اور معذرت نہیں چلتی۔“

”اچھا جناب میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں......اللہ حافظ۔“ فریال نے مسکراتے ہوئے کہا اور گاڑی کا دروازہ بند کر کے گھر کی طرف چل پڑی۔

کچھ دیر قبل وہ کاشف سے تحائف لینے کے لیے تیار نہ تھی‘ مگر جب کاشف کے کہنے پر اس نے تحفہ لے لیا تو اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ جلدی سے گھر پہنچ کر انہیں دیکھے‘ وہ بہت اچھے موڈ میں تھی اور دل ہی دل میں کاشف کے بارے میں سوچ کر خوش ہو رہی تھی‘ وہ اپنے ہی خیالوں میں گم چلی جا رہی تھی‘ اس لیے اسے اس بات کی خبر تک نہ ہوئی کہ ہر روز اس گلی سے گزرتے ہوئے جو چار اوباش لڑکے اسے تنگ کیا کرتے تھے‘ کب اچانک ان چاروں میں سے ایک لڑکا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا‘ اس نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو ایک لڑکے نے اس کا راستہ روک رکھا تھا‘ جبکہ باقی کے تینوں دیوار سے ٹیک لگائے کھڑے تھے۔

”یہ کیا بدتمیزی ہے......میرا راستہ کیوں روکا ہے؟“ فریال اس لڑکے کے راستہ روکنے پر اندر تک کانپ گئی تھی مگر پھر بھی ہمت کر کے قدرے غصے سے بولی تھی۔

”یہ نازک ہاتھ بوجھ اٹھانے کے لیے نہیں بنے......لاؤ یہ شاپر مجھے دو‘ میں تمہیں گھر تک چھوڑ آتا ہوں۔“ بات کرتے ہوئے لڑکے نے فریال کے ہاتھ میں پکڑا ہوا شاپر لینے کی کوشش کی تھی‘ قریب ہی اس کے تینوں ساتھی بھی اس کی حالت دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

فریال حیران تھی کہ وہاں سے گزرنے والے سبھی لوگ اچانک اندھے اور بہرے ہو گئے تھے‘ تبھی تو وہ سب کچھ دیکھنے اور سننے کے باوجود خاموشی سے وہاں سے گزرتے جا رہے تھے‘ یا پھر شاید ان کے اندر سے انسانیت ہی دم توڑ چکی تھی‘ اگر کوئی اوباش ان کی اپنی بیٹی کا راستہ بھی روکے کھڑا ہوتا تو وہ اسی طرح انجان بن کر وہاں سے نکل جاتے‘ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ سرِراہ ایک اوباش کو جوان لڑکی کا راستہ روکے کھڑے دیکھ کر گلی سے گزرتے ہوئے دو نوجوان وہاں رک گئے تھے‘ پھر ان کی دیکھا دیکھی کچھ اور راہ گیر بھی وہاں ٹھہر گئے تھے‘ اس نوجوان نے اس ڈر سے کہ کہیں بات بڑھ نہ جائے‘ فریال کا راستہ چھوڑ دیا تھا اور وہ موقعہ غنیمت جان کر وہاں سے نکل گئی تھی۔

دانش بچوں کے ساتھ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھا اپنا پسندیدہ پروگرام دیکھ رہا تھا‘ فریال نے ڈوربیل پر ہاتھ رکھا تو بیل مسلسل بجنے لگی‘ گھر پہنچنے تک کسی نہ کسی طرح اس نے اپنے آنسوؤں کو بہنے سے روکے رکھا تھا‘ مگر جیسے ہی دانش نے دروازہ کھولا تو اس کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو نکل پڑے تھے‘ اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا شاپر اور ہینڈ بیگ ایک طرف پھینکا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی‘ اس کی یہ حالت دیکھ کر دانش اور دونوں بچے بھی پریشان ہو گئے تھے۔

”کیا ہوا؟“ دانش نے پریشانی کے عالم میں دریافت کیا تھا۔

”کچھ بھی ہو تمہیں اس سے کیا‘ تم آرام سے چوڑیاں پہن کر گھر بیٹھو۔“

ابھی تک دانش کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آئی تھی‘ اس لیے اس نے پھر سوال کیا......”کچھ پتہ تو چلے......آخر ہوا کیا ہے؟“

دانش کی بات سن کر فریال کے آنسوؤں میں مزید تیزی آ گئی تھی‘ وہ روتے ہوئے بولی ”پہلے تو وہ لڑکے آوازیں ہی کستے تھے‘ مگر آج وہ میرا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے تھے۔“

”تم نے دوبارہ کبھی ذکر ہی نہیں کیا‘ میں یہی سمجھا کہ شائد معاملہ ختم ہو گیا۔“

”تم نے کچھ کرنا تو تھا نہیں‘ اس لیے خاموش تھی‘ ورنہ آج تک کوئی دن ایسا نہیں گزرا جب انہوں نے مجھ پر فقرے نہ کسے ہوں۔“

''اب کسی سے لڑ بھی تو نہیں جا سکتا ناں...... بہتر ہے تم راستہ ہی بدل لو۔''

فریال، دانش کی بات کا جواب دینے والی تھی کہ روتے ہوئے اچانک اس کی نگاہ زمین پر گرے اس شاپر پڑی، جو کاشف نے دیا تھا اور اس نے گھر پہنچتے ہی غصے سے نیچے پٹخ دیا تھا، اسے معلوم تھا کہ دانش نے کبھی بھی کسی چیز کو کریدنے کی کوشش نہیں کی تھی، پھر بھی اسے یہ خوف تھا کہ اگر دانش نے پوچھ لیا تو وہ کیا جواب دے گی، اس سے پہلے کہ دانش اس شاپر کے بارے میں کوئی سوال کرتا، وہ خاموشی سے اٹھی اور فرش پر گرا ہوا شاپر اور ہینڈ بیگ اٹھا کر بیڈروم میں چلی گئی، بیڈروم میں داخل ہوتے ہی اس نے جلدی سے شاپر کو ٹھکانے لگایا اور پھر فریش ہونے کے لیے واش روم میں گھس گئی۔

فریال کو ایک مدت بعد خوشی کی چند گھڑیاں نصیب ہوئی تھیں، وہ کاشف کے ساتھ پہلی بار وہاں گئی تھی، جس کے بارے میں اس نے صرف سن رکھا تھا، ورنہ دانش کو تو کبھی اس بات کی توفیق ہی نہیں ہوئی تھی، ابھی وہ ان لمحوں کو اچھی طرح انجوائے بھی نہیں کر پائی تھی کہ ان آوارہ لڑکوں کی بدتمیزی کی وجہ سے اس کا سارا موڈ خراب ہو گیا تھا، وہ کپڑوں والا شاپر کھولے بغیر ہی جان گئی تھی کہ کاشف نے موسم کے لحاظ سے اپنی پسند سے کپڑے لے کر دیے تھے، اسے رہ رہ کر خیال آ رہا تھا کہ ایک وہ ہے جس سے تعلق چند ملاقاتوں سے زیادہ نہیں تھا، مگر اس نے اس کے لیے کئی جوڑے لا دیے تھے اور ایک دانش ہے جسے کبھی یہ احساس نہیں ہوا تھا کہ میری بیوی کو گرمیوں اور سردیوں کے کپڑوں کی بھی ضرورت ہوتی ہوگی، اس نے خود سے تو کیا لے کر دینے تھے، اگر کبھی اس نے یاد دلایا بھی تو اس نے کسی نہ کسی بہانے ٹال دیا تھا۔

وہ یہ سوچ کر ہی خوش ہو رہی تھی کہ کاشف نے بن کہے اور بن مانگے ڈھیر سارے کپڑے اسے لا دیے تھے، وہ ان کپڑوں کو ایک بار دیکھنا چاہتی تھی، مگر اسے اس کا موقعہ ہی نہ ملا اور وہ خیالوں ہی خیالوں میں خود کو کاشف کے لائے ہوئے کپڑوں میں دیکھ کر خوشی سے جھومتی رہی، انہی خیالوں میں گم جاگتے سوتے رات بیت گئی تھی۔

......☆☆☆......

دانش یہ سوچ کر رات بھر سو نہیں پایا تھا کہ ان لڑکوں کی بدتمیزی کی وجہ سے فریال کو کس قدر پریشانی کا سامنا کرنا پڑا تھا، اسے اپنی بزدلی اور کمزوری کی وجہ سے رہ رہ کر خود پر ہی غصہ آ رہا تھا، وہ اندر ہی اندر یہ سوچ کر کڑھ رہا تھا کہ شاید تعلیم اس کی طرح سبھی کو بزدل بنا ڈالتی ہے کہ وہ ہر معاملے میں مصلحتوں سے کام لینے لگتے ہیں، معاملہ ایک دن کا ہوتا تو بات اور تھی مگر فریال کو تو ہر روز آتے جاتے اسی راستے سے گزرنا تھا، اور یہ بات بھی یقینی تھی کہ جن لڑکوں نے فریال کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی تھی، ہر روز آتے جاتے ان سے آمنا سامنا بھی ہونا تھا، وہ کل کو کچھ بھی کر سکتے تھے، اس لیے خاموشی اس معاملے کا علاج نہیں تھا۔

پریشانی کی وجہ سے دانش نے معمول سے کچھ پہلے ہی بستر چھوڑ دیا تھا، فریال اور بچے ابھی تک سوئے ہوئے تھے، اس لیے وہ ٹی وی لاؤنج میں صوفے پر آ بیٹھا تھا، اب اسے فریال کے اٹھنے کا انتظار تھا، وہ اس کے آفس جانے سے قبل ہی اس سے بات کر لینا چاہتا تھا تا کہ اسے کچھ حوصلہ رہے اور وہ آفس سے واپسی پر کسی گھبراہٹ کا شکار نہ ہو۔

''کل جو کچھ ہوا، مجھے اس کا افسوس ہے۔'' دانش بمشکل اتنا کہہ پایا تھا کہ فریال بول پڑی تھی۔

''افسوس کے علاوہ تم کر بھی کیا سکتے ہو۔'' فریال نے قدرے تلخ لہجے میں بات کی تھی۔

دانش کو فریال کا گفتگو کا انداز مناسب نہیں لگا تھا، مگر پھر بھی اس نے ضبط کیا اور پرعزم لہجے میں بولا ''تم...... بلاخوف آفس جاؤ، میں ان اوباش لڑکوں کا کوئی نہ کوئی انتظام کرتا ہوں۔''

فریال نے دانش کی بات پر کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی، وہ اس انتظار میں تھا کہ وہ اس کی بات کا کیا جواب دیتی ہے مگر اس نے دانش کی بات کا جواب دیے بغیر خاموشی سے ناشتہ کیا اور آفس کے لیے نکل گئی تھی۔

وہ رات بھر اچھی طرح سو نہیں پائی تھی، پھر بھی آفس پہنچی تو بہت خوش تھی، اس نے اپنے دل کی کیفیت کو چھپانے کی بہت کوشش کی تھی مگر ناکام رہی تھی۔

''بہت خوش دکھائی دے رہی ہو...... آج صبح صبح کیا مل گیا؟'' زارا نے فریال کے چہرے کی گلابی رنگت پر نظر پڑتے ہی سوال کیا تھا۔

زارا کی جگہ کوئی اور بھی ہوتا تو اس کی کیفیت دیکھ کر اسی طرح کا سوال کرتا، لیکن زارا اس کے زیادہ قریب تھی، وہ اسکول سے یونیورسٹی

تک نہ صرف ایک ساتھ پڑھی تھیں بلکہ ایک دوسرے کو بخوبی جانتی تھیں‘ اس لیے اس نے فریال کو دیکھتے ہی سوال کر ڈالا تھا‘ فریال سے دل کی کیفیت چھپائی نہیں جا رہی تھی‘ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ بن پوچھے ہی کاشف کے بارے میں سب کچھ بتا ڈالے‘ مگر اس نے دل کی بات زبان تک آتے آتے روک لی تھی۔

’’یہ سب تمہاری نظر کا کمال ہے‘ ورنہ ایسا تو کچھ بھی نہیں۔‘‘ فریال نے زارا کو ٹالنے کے لیے ہنستے ہوئے گول مول بات کی تھی۔

’’تم مانو یا نہ مانو...... مگر کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔‘‘ زارا‘ فریال کے جواب سے مطمئن نہیں ہوئی تھی‘ اس لیے اپنی بات پر بضد تھی۔

اس سے پہلے کہ فریال مزید کوئی بہانہ تلاش کرتی‘ باس آ گئے تھے‘ اس لیے وہ خاموشی سے اپنے اپنے کاموں میں لگ گئی تھیں اور بات ٹل گئی تھی‘ باس کے آنے پر فریال نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا تھا‘ ورنہ اسے علم تھا کہ زارا اگر کسی بات کے پیچھے پڑ جائے تو جب تک وہ بات اگلوا نہ لے‘ چین سے نہیں بیٹھتی تھی۔

دل جب کسی بات پر پریشان ہو یا دماغ کسی معاملے میں الجھا ہوا ہو تو دیکھنے والے کو سمجھنے میں ذرا سی بھی دیر نہیں لگتی‘ فریال گاڑی میں بیٹھی تو اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی کاشف بھی جان گیا تھا کہ اسے کسی پریشانی نے گھیر رکھا ہے۔

’’کوئی مسئلہ ہے کیا؟‘‘ کاشف نے فریال کی گھبراہٹ کا سبب جاننے کے لیے کہا۔

’’نہیں...... ایسا تو کچھ نہیں......‘‘ فریال نے کاشف کو ٹالنے کی کوشش کی۔

’’میں چہروں کو پڑھنا بخوبی جانتا ہوں...... آپ مجھ سے کچھ چھپانا بھی چاہیں تو چھپا نہیں سکیں گی۔‘‘

’’گھر جانے کے لیے گلی سے گزرتے ہوئے کچھ آوارہ قسم کے لڑکے بہت تنگ کرتے ہیں...... بس انہی کی وجہ سے پریشان رہتی ہوں۔‘‘

’’تو آپ کسی اور راستے سے چلی جایا کریں۔‘‘

کاشف کی بات پر فریال کچھ کہہ نہیں پائی تھی‘ پھر آہستہ سے بولی...... ’’وہ راستہ کافی لمبا پڑتا ہے۔‘‘

’’بس پھر صبر کریں...... خدا کرے کہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آ جائیں۔‘‘

فریال نے کاشف کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا‘ پھر سفر ختم ہونے تک ان دونوں میں خاموشی چھائی رہی تھی۔

وہاں کے لوگ شادی بیاہ کے موقعہ پر اکثر گلی میں ہی ٹینٹ لگا لیا کرتے تھے‘ اس نے گلی میں داخل ہوتے ہی وہاں لگے ٹینٹ دور سے ہی دیکھ لیے تھے‘ کسی کے ہاں شادی کا فنکشن تھا‘ جس کی وجہ سے گلی میں خوب گہما گہمی تھی‘ ان چاروں میں سے کوئی بھی اسے وہاں دکھائی نہیں دیا تھا‘ اس لیے وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی گھر پہنچ گئی تھی اور گھر پہنچنے پر اس نے سکھ کا سانس لیا تھا۔

پچھلے روز گلی میں ہونے والے شادی کے فنکشن کے باعث گہما گہمی کی وجہ سے اسے کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا‘ مگر آج پھر واپسی پر وہ بہت سہمی ہوئی تھی‘ وہ سٹاپ سے اتر کر گلی میں داخل ہوئی تو اوباش لڑکوں سے آمنا سامنا ہونے کا سوچ کر اس سے چلا بھی نہیں جا رہا تھا‘ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے پاؤں کئی کئی من وزنی ہو گئے تھے اور وہ خود کو گھسیٹتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی‘ گو کہ دانش نے اسے اس بات کی یقین دہانی کروائی تھی کہ وہ اس معاملے میں کوئی نہ کوئی قدم ضرور اٹھائے گا‘ مگر وہ دانش کی طبیعت سے بخوبی آگاہ تھی کہ وہ محض اس کی تسلی کے لیے یہ سب کہہ رہا تھا‘ ورنہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہو گی۔

وہ ڈری سہمی اور خوف سے کانپتی ہوئی کچھ آگے بڑھی تو دور سے اس کی نظر ان چاروں اوباش نوجوانوں پر پڑی‘ جو روز کی طرح دیوار سے ٹیک لگائے کھڑے تھے‘ ان پر نظر پڑتے ہی اس کی کپکپاہٹ میں مزید اضافہ ہو گیا تھا‘ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ وہاں سے واپس بھاگ جائے اور کسی دوسرے راستے سے ہوتے ہوئے گھر پہنچ جائے‘ مگر اب ایسا ممکن نہیں رہا تھا‘ کیونکہ ان لڑکوں نے بھی اسے آتے ہوئے دیکھ لیا تھا‘ پھر بھی اگر کسی طرح وہ واپسی کا ارادہ کر بھی لیتی تو اس کا جسم اس کا ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں تھا‘ اس لیے وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی آگے بڑھنے لگی تھی۔

فریال نے نگاہیں زمین پر گاڑ رکھی تھیں‘ اسے اِدھر اُدھر کا کچھ ہوش نہیں تھا‘ وہ جس طرح گردن جھکائے چل رہی تھی‘ ممکن تھا کہ وہ کسی لمحے سامنے سے آنے والے کسی بھی شخص سے ٹکرا جاتی‘ اس وقت اس کی حالت اس کبوتر کی سی ہو رہی تھی‘ جس نے بلی کو دیکھ کر اپنی آنکھیں

بند کر لی تھیں اور یہ سوچ بیٹھا تھا کہ اب وہ بلی سے محفوظ ہے' فریال نگاہیں نیچی کیے چل رہی تھی' پھر بھی اسے اس بات کا اندازہ تھا کہ اب وہ ان لوفر لڑکوں کے سامنے سے گزر رہی تھی۔

''باجی۔'' کچھ لڑکوں کی آواز فریال کے کانوں کے پردوں سے ٹکرائی تھی۔

اس نے ڈرتے ڈرتے گردن اٹھا کر دیکھا تو ایک لمحے کو وہ آنکھیں جھپکانا ہی بھول گئی تھی' دل' آنکھوں پر یقین کرنے کو تیار نہیں تھا' اس لیے اس نے اپنی پلکیں جھپکا کر اس بات کی تسلی کی کہ کہیں وہ خواب تو نہیں دیکھ رہی تھی' وہ چاروں لڑکے' جنہوں نے اس کی زندگی عذاب بنا ڈالی تھی' وہ ہاتھوں اور بازوؤں کے ساتھ ساتھ اپنے سر اور ماتھے پر پٹیاں باندھے' اس کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑے تھے۔

''آج سے تم ہماری بہن ہو...... ہمیں معاف کر دو...... ہم تمہارے ہی انتظار میں کھڑے تھے...... آج کے بعد ہم کبھی بھولے سے بھی تمہارے راستے میں کھڑے دکھائی نہیں دیں گے۔'' چاروں لڑکوں نے ایک زبان ہو کر ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا تھا۔

''اگر میں تمہیں معاف نہ کروں تو؟'' ان کے جڑے ہوئے ہاتھ دیکھ کر فریال شیر ہو گئی تھی' اس لیے پراعتماد لہجے میں بول رہی تھی۔

''یہ ظلم نہ کرنا باجی...... ورنہ ہم کہیں کے نہیں رہیں گے۔'' چاروں معافی مانگنے کے لیے اس کے پاؤں پڑ گئے تھے۔

''اچھا اچھا...... اب میرا راستہ چھوڑو اور آج کے بعد مجھے کبھی اپنی شکل مت دکھانا۔'' فریال نے انہیں ڈانٹتے ہوئے کہا تھا۔

فریال کے کہنے پر وہ چاروں کسی روبوٹ کی طرح ایک طرف ہٹ گئے تھے اور وہ وہاں سے نکل گئی تھی' اب اس کے قدم تیزی سے گھر کی طرف بڑھ رہے تھے' اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رقصاں تھی اور وہ اپنے شوہر کی بہادری کا سوچ کر دل ہی دل میں خوش ہو رہی تھی' آج اسے ان اوباش لڑکوں کے جسم کے مختلف حصوں پر لپٹی ہوئی پٹیاں دیکھ کر دلی اطمینان ہوا تھا' وہ خوش تھی کہ اس کے خاوند نے ہمت و جوانمردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کی اس قدر دھلائی کی تھی کہ انہیں ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے پر مجبور کر دیا تھا۔

وہ انہی سوچوں میں گم گھر پہنچی تھی' دروازہ کھلتے ہی دانش کے ہاتھ کی انگلی پر ڈریسنگ سے فوری طور پر اسے اس بات کی تصدیق ہو گئی تھی کہ یقیناً لڑکوں کی پٹائی والا کام اسی کے ہاتھوں سر انجام پایا تھا اور لڑائی کے دوران انگلی پر چوٹ لگ گئی ہوگی' جس کی وجہ سے اسے پٹی باندھنا پڑی تھی کوئی اور موقعہ ہوتا تو اسے دانش کی انگلی پر لگی چوٹ دیکھ کر دکھ ہوتا مگر یہ معاملہ اور تھا' اس لیے اس کے دل میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔

ایک مدت کے بعد فریال کو خاوند پر پیار آ رہا تھا اور بیزاری کی جو آگ اس کے سینے میں سلگنے لگی تھی' اس کی تپش میں قدرے کمی محسوس ہونے لگی تھی' وہ دانش کی انگلی پر بندھی پٹی دیکھ کر تڑپ اٹھی تھی اور جلدی سے آگے بڑھ کر وہ ہاتھ چوم لینا چاہتی تھی' جس پر اس کی وجہ سے چوٹ آئی تھی' مگر اس نے خود پر قابو رکھا اور اس بات کا انتظار کرنے لگی کہ وہ خود ہی تمام تفصیلات سے آگاہ کر دے' کچھ وقت اسی کیفیت میں گزر گیا تھا مگر دانش نے نہ صرف ان لڑکوں سے لڑائی کے متعلق کوئی ذکر نہیں چھیڑا تھا بلکہ اس کے چہرے کے تاثرات سے بھی ایسا کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا جس سے یہ معلوم ہوتا کہ وہ کارروائی اس کی تھی۔

''یہ تمہاری انگلی پر کیا ہوا؟'' دانش کی خاموشی دیکھ کر فریال نے اسے کریدنے کی غرض سے بات کی۔

''سبزی کاٹتے ہوئے چھری لگ گئی تھی۔'' فریال کے پوچھنے پر دانش اپنے ہاتھ کی انگلی کو دیکھتے ہوئے تفصیل بتانے لگا ''میری ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ سبزی بناتے ہوئے چھری احتیاط سے استعمال کروں' مگر آج نہ جانے یہ کیسے ہو گیا' خون اس قدر تیزی سے بہنے لگا تھا کہ ایک لمحے کو تو میں بھی پریشان ہو گیا تھا' میں نے جلدی سے فرسٹ ایڈ کا بکس اٹھایا اور پائیوڈین لگا کر پٹی کر لی تھی......''

دانش اپنی انگلی کے زخمی ہونے اور پھر اس پر پٹی باندھنے کی تفصیل بتا رہا تھا' مگر فریال کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی' اب تک وہ یہی سمجھ رہی تھی کہ اس کے برا بھلا کہنے اور کھری کھری سنانے پر دانش نے یہ قدم اٹھایا ہوگا' مگر اس کے کریدنے پر وہ جان گئی تھی کہ ان لڑکوں کی پٹائی اور معافی مانگنے کو وہ دانش کا کارنامہ سمجھ رہی تھی مگر حقیقت میں ایسا نہیں تھا' اس لیے وہ دانش کی بات انتہائی بے دلی سے سن رہی تھی اور اس کا ذہن تیزی سے اس پہلو پر غور کرنے لگا تھا کہ اگر یہ کام دانش نے نہیں کیا تھا تو پھر یہ کارنامہ کس کے ہاتھوں سر انجام پایا تھا۔

وہ سوچنے لگی تھی کہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ جن لڑکوں نے اس روز انہیں چھیڑنے سے منع کیا تھا' انہوں نے اپنے کچھ دوستوں کی مدد سے ان لڑکوں کو سبق سکھانے کی غرض سے پٹائی کر ڈالی ہو اور گلی سے گزرنے والی خواتین کو تنگ کرنے اور ان پر آوازیں کسنے سے منع کیا ہو' فریال اس معاملے میں بری طرح الجھ کر رہ گئی تھی' وہ جیسے جیسے اس معاملے کے بارے میں سوچتی جاتی تھی' مزید الجھتی جاتی تھی' اسی الجھن کی وجہ

سے اس کے سر میں بھی شدید درد ہونے لگا تھا' اس لیے وہ خاموشی سے اٹھی اور آنکھیں بند کر کے اپنے بیڈ پر لیٹ گئی۔

......☆☆☆......

رات بھر اس سوچ نے فریال کو پریشان کیے اور جگائے رکھا تھا کہ اگر دانش نے ان آوارہ لڑکوں کو سبق نہیں سکھایا تھا تو پھر وہ کون تھا جسے اس سے اس قدر ہمدردی تھی' جو اس کے ساتھ ہونے والی زیادتی پر اس قدر بھڑک اٹھا تھا کہ نہ صرف ان لڑکوں کے ہاتھ پاؤں توڑ ڈالے تھے بلکہ انہیں سر عام ہاتھ جوڑنے پر بھی مجبور کر ڈالا تھا۔

وہ آفس پہنچی تو درد سے اس کا سر بوجھل ہو رہا تھا' اس نے راستے میں ہی پروگرام طے کر لیا تھا کہ آج صبح کی چائے وہ زارا کے پاس بیٹھ کر پیئے گی اور باس کے آنے تک زارا سے خوب گپ شپ کرے گی تاکہ اس کے سر کا درد کچھ کم ہو لیکن اس نے آفس میں قدم رکھا تو زارا کو گردن جھکائے پریشان بیٹھے دیکھ کر اسے اپنے سر کا درد بھول گیا تھا اور زارا کی فکر لگ گئی تھی' وہ اپنی سیٹ پر جانے کی بجائے زارا کے پاس جا کھڑی ہوئی تھی مگر اسے اس کے آنے کی کوئی خبر نہیں ہوئی تھی۔

''کیا بات ہے...... سر جھکائے کیوں بیٹھی ہو' کوئی پریشانی ہے کیا؟'' فریال نے زارا کے انتہائی قریب کھڑے ہو کر بات کی تھی۔

زارا اپنے ہی خیالوں میں اس قدر گم تھی کہ اس نے فریال کی بات پوری طرح سے نہیں سنی تھی' مگر اسے ایسا محسوس ہوا تھا کہ کوئی اس کے پاس کھڑا ہے' اس نے گردن اوپر اٹھا کر دیکھا تھا اور اتنا کہہ پائی تھی ''ہوں...... تم نے مجھ سے کچھ کہا؟''

زارا نے بات کرنے کے لیے فریال کی طرف دیکھا تھا' زارا کی آنکھوں کی سوجن اور ان میں پھیلی ہوئی سرخی فریال سے چھپ نہیں پائی تھی' اپنی دوست کی یہ حالت دیکھ کر وہ کانپ اٹھی تھی۔

''کیا ہوا؟'' فریال نے اس کے سامنے والی کرسی گھسیٹ کر زارا کے قریب بیٹھتے ہوئے انتہائی کرب سے دریافت کیا تھا۔

فریال اور زارا بہت پرانی دوست تھیں' انہوں نے زندگی کا ہر دکھ سکھ ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ شیئر کیا تھا' فریال نے اس قدر اپنائیت سے بات کی تھی کہ زارا کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے' اس نے فریال کی گردن میں باہیں ڈال دیں اور اس کے کندھے پر سر رکھ کر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی' اسے روتے دیکھ کر زارا کی آنکھوں میں بھی آنسو تیرنے لگے تھے' مگر اس نے اپنے دل کو مضبوط کیا اور انہیں بہنے سے روکے رکھا تھا' زارا مسلسل روئے جا رہی تھی اور فریال اس کی پیٹھ پر تھپکیاں دیتے اور بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے تسلی دیتی رہی۔

کچھ دیر روتے رہنے سے زارا کے دل کا بوجھ کچھ ہلکا ہو گیا تھا اور اس نے فریال کے کندھے سے اپنا سر اٹھا کر آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں کو اپنے دائیں ہاتھ سے صاف کر لیا تھا۔

''پہلے جلدی سے واش روم میں جا کر اچھی طرح منہ دھولو' شکر ہے ابھی تک کوئی اور آفس میں نہیں پہنچا' ورنہ خوامخواہ سب کو باتیں بنانے کا موقع مل جاتا۔'' فریال نے انتہائی پیار سے زارا سے بات کی تھی۔

فریال کی بات سن کر زارا نے کوئی بات نہیں کی تھی اور خاموشی سے اٹھ کر واش روم میں جا گھسی تھی۔

زارا کے واش روم میں جانے کے بعد اس نے بھی کرسی چھوڑ دی تھی اور اپنی سیٹ پر آ بیٹھی تھی' زارا کے آنسوؤں نے فریال کو الجھا کر رکھ دیا تھا' وہ لڑکوں کی پٹائی والا معاملہ بھول کر زارا کے بارے میں سوچنے لگی تھی کہ آخر اس کے ساتھ ایسا کیا ہوا تھا جو وہ اسے دیکھتے ہی رونے لگی تھی' جبکہ اس کی آنکھوں سے بھی ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ رات بھر روتی رہی تھی' اسے یقیناً کسی ایسی پریشانی نے گھیر لیا تھا' جس کی وجہ سے وہ رات بھر سو نہیں پائی تھی' رات بھر سوچتے رہنے سے فریال فریش نہیں تھی اور اب آتے ہی زارا نے مزید پریشان کر ڈالا تھا' کچھ ہی دیر بعد زارا بھی واش روم سے واپس اپنی سیٹ پر آ بیٹھی تھی' اس وقت فریال کا پھر سے اس کے پاس جا کر بات کرنا مناسب نہیں تھا' کیونکہ اس بات کا بھی امکان تھا کہ اس کے پوچھنے پر وہ پھر سے رونے لگتی' اس لیے بہتر یہی تھا کہ لنچ ٹائم تک انتظار کیا جائے۔

فریال کا سر درد کی شدت سے پھٹا جا رہا تھا' اس نے اپنا پرس ٹٹولا تو اس میں سے سر درد کی دو گولیاں مل گئیں' اس نے پانی کے ساتھ دونوں گولیاں ایک ساتھ کھالیں اور چائے کا انتظار کرنے لگی' تھوڑی ہی دیر بعد معمول کے مطابق آفس بوائے سب کے میزوں پر چائے کے کپ رکھ گیا تھا' چائے بہت گرم تھی' مگر فریال یہ سوچ کر کہ کسی طرح اسے سر کے درد سے نجات مل جائے' فوری طور پر چھوٹے چھوٹے سپ لے کر پینے لگی تھی۔

لنچ بریک تک فریال اور زارا میں کوئی بات نہیں ہوئی تھی' بریک ٹائم ہوا تو روز کی طرح وہ دونوں اپنا اپنا لنچ بکس لے کر پاس پاس بیٹھ گئی تھیں' فریال کو صبح سے اسی وقت کا انتظار تھا۔

''تم صبح رو کیوں رہی تھی؟'' فریال نے بیٹھتے ہی زارا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

''کچھ بھی تو نہیں......'' زارا نے فریال سے آنکھیں ملا کر بات کرنے کی بجائے نظریں چراتے ہوئے آہستہ سے کہا تھا' جس سے یہ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ کچھ نہ کچھ ہے ضرور' مگر وہ بتانے سے گریز کر رہی تھی۔

''رونے کا کوئی تو سبب ہوگا۔'' فریال نے اپنی بات پر زور دے کر کہا تھا۔

''ہاں' وقت آنے پر تمہیں سب کچھ بتا دوں گی...... کچھ بھی نہیں چھپاؤں گی...... مگر پلیز ابھی اس بات کو یہیں ختم کر دو...... ابھی میرے اندر ٹوٹ پھوٹ کا عمل جاری ہے...... میں بکھرنا نہیں چاہتی۔''

''تم کہتی ہو تو میں تم سے کوئی بھی سوال نہیں کروں گی...... لیکن اتنا یاد رکھنا...... اگر زندگی کے کسی موڑ پر مجھے یہ معلوم ہوا کہ تم نے مجھ سے کچھ چھپایا تھا' تو یہ میری زندگی کا سب سے بڑا دکھ اور صدمہ ہوگا۔''

''ایسا کبھی نہیں ہوگا...... تم سے بڑھ کر مجھے دنیا میں کوئی اور عزیز نہیں' پھر بھلا میں اپنے دل کی کوئی بات تم سے کیوں چھپاؤں گی۔'' زارا کی بات سے فریال کی بے قراری میں کوئی کمی نہیں آئی تھی' مگر اس نے مزید کوئی سوال نہیں کیا تھا اور خاموشی سے کھانا کھانے لگی تھی۔

......☆☆☆......

فریال کے آفس سے نکل کر اسٹاپ پر پہنچتے ہی کاشف یوں وہاں آ کھڑا ہوتا تھا' جیسے فریال کو وہاں سے گاڑی میں بٹھا کر اس کے گھر پہنچانا اس کی ڈیوٹی تھی' وقت کے ساتھ ساتھ فریال کو بھی اس کی عادت ہوگئی تھی' سٹاپ پر پہنچ کر اسے کسی بس یا ویگن کی بجائے کاشف کا انتظار ہوتا تھا' روز کی طرح اس کے بس اسٹاپ پر پہنچتے ہی کاشف بھی وہاں آ پہنچا تھا اور وہ خاموشی سے گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔

''کیا کل بھی کوئی آوارہ کتا آپ کو دیکھ کر بھونکا تھا؟'' گاڑی چلتے ہی کاشف نے شیشے میں دیکھتے ہوئے فریال سے دریافت کیا تھا۔

''کیا مطلب؟'' کاشف کی بات فریال کے سر سے گزر گئی تھی' اس لیے اس نے حیران ہو کر سوال کیا تھا۔

''بھئی میں ان لڑکوں کی بات کر رہا ہوں' جو گلی سے گزرتے ہوئے تمہیں تنگ کیا کرتے ہیں اور جن کی وجہ سے تم ہر روز پریشان رہتی ہو۔'' کاشف نے ڈرائیونگ کرتے ہوئے بغیر اسے دیکھے تفصیل سے بات کی۔

پچھلی رات فریال کے ذہن میں کئی بار یہ خیال آیا تھا کہ ایسا بھی تو ممکن ہے کہ اس ساری کارروائی کے پیچھے کاشف کا ہاتھ ہو' لیکن پھر اس نے اپنے اس خیال کو خود ہی جھٹک دیا تھا کہ بھلا کاشف کو پرائی آگ میں کودنے کی کیا ضرورت پڑی تھی اور اگر اس نے ایسا کچھ کرنا بھی تھا تو وہ اس سے ضرور تذکرہ کرتا' فریال انہی سوچوں میں گم تھی' اسی لیے گاڑی میں مکمل خاموشی تھی۔

''ان کی طبیعت ٹھیک ہوگئی یا ابھی ایک اور خوراک کی ضرورت ہے؟'' کاشف کی آواز نے خاموشی کو توڑا۔

کاشف کی بات سے تمام بات کھل کر اس کے سامنے آ گئی تھی اور وہ جان گئی تھی کہ اس کی پریشانی کو دیکھتے ہوئے یہ سب کاشف نے ہی کیا تھا۔

''نہیں نہیں...... ایک خوراک سے ہی ان کی طبیعت صاف ہوگئی ہے' اب مجھے تو کیا' زندگی بھر کسی بھی لڑکی کو چھیڑنے سے پہلے وہ سو بار سوچیں گے۔'' فریال نے چہرے پر قدرے مسکراہٹ سجاتے ہوئے کہا تھا۔

فریال بات کر رہی تھی تو کاشف شیشے میں اسی کو دیکھ رہا تھا' اس نے فریال کو مسکراتے ہوئے دیکھا تو فوراً بول پڑا ''چلو شکر ہے...... اسی بہانے آپ کے چہرے پر مسکراہٹ تو دکھائی دی۔''

فریال نے کاشف کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا اور خاموشی سے گاڑی کی سیٹ کی بیک سے ٹیک لگائے سوچنے لگی تھی ''کاشف کو اس کی پریشانی کا کس قدر احساس ہے کہ اس نے لڑکوں کے آوازیں کسنے اور تنگ کرنے کا محض سرسری سا ذکر کیا تھا' جس پر اس نے ان کے ہاتھ پاؤں توڑ ڈالے اور ایک اس کا خاوند ہے' جس نے اس کی بار بار کی شکایت پر بھی کوئی ایکشن نہیں لیا تھا۔''

یہ میدان بھی کاشف نے مار لیا تھا' جبکہ دانش بھیگی بلی بنا گھر میں ہی بیٹھا رہا تھا' اس واقعے نے کاشف کو نہ صرف فریال کے دل کے کچھ اور قریب کر دیا تھا بلکہ اس کی نظر میں کاشف کی اہمیت مزید بڑھ گئی تھی' وہ خود بھی حیران تھی کہ اسے یہ کیا ہونے لگا ہے' شادی شدہ اور دو

بچوں کی ماں ہوتے ہوئے بھی کاشف کی محبت اس کے دل کے کسی کونے میں پلنے لگی تھی' وہ کون سا لمحہ تھا جب اس نے کاشف کو اپنے دل میں جگہ دے ڈالی تھی' اس میں آخر ایسا کیا تھا کہ وہ اس قدر تیزی سے اس کے دل و دماغ پر چھانے لگا تھا۔

''آج بوفے ڈنر ہو جائے؟'' لڑکوں کے معافی مانگنے اور اسے کبھی تنگ نہ کرنے کے وعدے پر فریال کو خوش دیکھ کر کاشف نے پیشکش کی تھی۔

''کس خوشی میں؟''

''کیا یہ خوشی کم ہے...... کہ آج آپ خوش ہیں...... اور یہ تو آپ جانتی ہی ہیں کہ مجھے آپ کی خوشی کس قدر عزیز ہے۔''

''پھر کسی روز نہ چلیں؟'' فریال کی ہمیشہ شدت سے یہ خواہش رہی تھی کہ مہینے میں ایک بار ہی سہی' دانش کسی اچھے سے ہوٹل میں اسے ڈنر کے لیے لے جائے' مگر اس کے دل کی یہ خواہش دل ہی میں رہی تھی' آج کاشف کے ذریعے قدرت اسے یہ موقعہ فراہم کر رہی تھی' اس لیے اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ فوراً ہاں کر دے' مگر ساتھ ہی اسے دانش کی ناراضگی کا بھی احساس تھا' اس لیے اس نے ٹالنے کے لیے بات کی تھی۔

''کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آج کیوں نہیں؟'' کاشف اتنی آسانی سے کہاں ٹلنے والا تھا' اس نے جھٹ سے ایک اور سوال کر ڈالا تھا۔

''مجھے گھر سے اجازت لینی پڑے گی۔''

''تو لے لیں...... موبائل آپ کے پاس ہے' گھر کا نمبر ملائیں اور بتا دیں' بات ختم۔'' کاشف نے فریال کو لاجواب کر ڈالا تھا' اب اس کے پاس سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں رہا تھا کہ وہ دانش کو فون کرے اور اپنے لیٹ آنے کے لیے کوئی بہانہ بنا دے۔

دانش کو فون کرنے اور اسے لیٹ آنے کی اطلاع دینے کا معاملہ با آسانی طے ہو گیا تھا' اب اسے کاشف کے ساتھ کہیں بھی جانے میں کوئی پریشانی نہیں تھی' ویسے بھی وہ جانتی تھی کہ بچوں کی وجہ سے دانش کسی بھی صورت گھر سے نہیں نکل پائے گا' تھوڑی ہی دیر بعد وہ ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں آمنے سامنے بیٹھے تھے' یوں تو وہ کچھ عرصے سے ایک دوسرے سے ملتے چلے آ رہے تھے' مگر فریال نے اسے پہلی بار اس قدر غور سے دیکھا تھا' اس میں بلا کا اعتماد تھا' اعلیٰ تعلیم یافتہ اور دولت کی ریل پیل کے باوجود غرور نام کی کوئی چیز اسے چھو کر بھی نہیں گزری تھی' وہ فریال سے جب بھی ملا تھا بچھتا چلا گیا تھا۔

''کھانے کا کافی بل بن جائے گا ناں؟'' کھانا شروع کرنے سے قبل ہی فریال نے بات کا آغاز کیا تھا۔

''تو؟''

''آپ اتنے پیسے اتنی آسانی سے کیسے خرچ کر لیتے ہیں؟''

''پیسے ہوتے ہی خرچ کرنے کے لیے ہیں' ویسے بھی یہ محض چند گھڑیاں مل بیٹھنے کا بہانہ ہے۔''

''اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ پیسے خرچ کرنے کے لیے بہانے ڈھونڈتے ہیں۔''

''ارے ہاں...... یاد آیا...... باتوں باتوں میں کہیں میں بھول ہی نہ جاؤں۔''

''کیا یاد آ گیا؟'' فریال نے حیران ہو کر دریافت کیا تھا۔

کاشف نے فریال کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا اور اپنی کرسی کے پاس پڑا ہوا بریف کیس اٹھا کر میز پر رکھتے ہوئے اسے کھولنے لگا تھا' فریال کی نگاہیں مسلسل کاشف پر لگی ہوئی تھیں' جس نے بریف کیس میں سے ایک شاپر نکال کر اپنے پاس رکھتے ہوئے' بریف کیس واپس اپنی کرسی کے ساتھ فرش پر رکھ دیا تھا۔

''یہ آپ کے لیے لایا تھا۔'' کاشف نے فریال کی طرف شاپر بڑھاتے ہوئے کہا۔

''اس میں کیا ہے؟''

''اس میں کچھ ساڑھیاں ہیں جو میں آپ کے لیے لایا تھا...... آپ ساڑھی پہنا کریں' بہت اچھی لگیں گی۔'' کاشف نے فریال کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا تھا۔

کاشف کے اس طرح دیکھنے پر فریال نے اپنی نظریں جھکا دی تھیں اور سوچنے لگی تھی کہ اسے شروع ہی سے ساڑھی پہننے کا شوق تھا' اپنے اس شوق کا تذکرہ اس نے دانش سے بھی کئی بار کیا تھا' مگر اس نے اس کے بار بار یاد دلانے کے باوجود بھی کبھی کسی فنکشن پر پہننے کے لیے

بھی اسے ساڑھی لاکر نہیں دی تھی‘ دوسری طرف کاشف تھا‘ جس سے کبھی اس نے اپنی اس خواہش کا اظہار نہیں کیا تھا مگر وہ جان گیا تھا کہ ساڑھی پہنے ہوئے وہ کس قدر پیاری لگے گی۔

’’کہاں پہنچ گئیں؟‘‘ کاشف نے فریال کو کسی گہری سوچ میں ڈوبے دیکھ کر چٹکی بجاتے ہوئے سوال کیا تھا۔

’’نہیں تو...... میں تو ویسے ہی خاموش بیٹھی ہوں...... کچھ سوچ تو نہیں رہی تھی۔‘‘

’’تو پھر کھانا شروع کریں؟‘‘ کاشف نے اجازت طلب نظروں سے دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

’’ٹھیک ہے۔‘‘

وہ دونوں ایک ساتھ اپنے ٹیبل سے اٹھے تھے اور اپنی پسند کی کچھ چیزیں پلیٹوں میں ڈال کر واپس اپنی جگہ پر آبیٹھے تھے‘ کھانے کے دوران بھی ان کی باتیں جاری تھیں‘ کھانا بہت لذیز تھا‘ ویسے بھی یہ اس کی زندگی کا پہلا بوفے ڈنر تھا‘ فریال خوب مزے سے کھا رہی تھی‘ وہ کھانے میں اس قدر مگن تھی کہ اسے اردگرد کی کوئی خبر نہیں رہی تھی۔

’’آنٹی آپ کو بہت یاد کرتی ہیں۔‘‘ کاشف کی آواز اس کے کانوں میں پڑی تھی۔

’’کون سی آنٹی؟‘‘

’’لو جی...... وہ اٹھتے بیٹھتے ہر پل آپ کا ذکر کرتی رہتی ہیں اور ایک آپ ہیں‘ جو پوچھ رہی ہیں...... کون سی آنٹی......‘‘

’’آپ کہیں آنٹی نازیہ کی بات تو نہیں کر رہے؟‘‘

’’جی...... میں انہی کی بات کر رہا ہوں‘ جن پر ایک ہی ملاقات میں آپ نے جادو کر ڈالا......‘‘

’’مجھ میں تو ایسا کچھ نہیں...... دراصل وہ خود بہت اچھی ہیں۔‘‘

’’وہ مجھے کئی بار کہہ چکی ہیں...... ان کی شدید خواہش ہے کہ میں آپ کو ان سے ملوانے لاؤں۔‘‘

’’ہاں...... کیوں نہیں...... وہ جب بلائیں گی‘ میں ضرور چلوں گی۔‘‘ بات کرتے ہوئے بار بار فریال کی نظر سامنے لگے وال کلاک پر پڑ جاتی تھی‘ وقت کافی ہوگیا تھا‘ اس لیے اب اس کی پریشانی بڑھنے لگی تھی ’’بہت دیر ہو رہی ہے...... اب چلنا چاہئے۔‘‘ فریال نے ایک بار پھر وال کلاک پر نظر ڈالتے ہوئے کہا تھا۔

فریال کی بات سنتے ہی کاشف فوراً اٹھ کھڑا ہوا تھا اور بل کی ادائیگی کے بعد وہ وہاں سے نکل پڑے تھے۔

......☆☆☆......

شاہد اپنے کسی دوست کی دعوت ولیمہ میں شرکت کے لیے اسی ہوٹل میں آیا ہوا تھا‘ کھانا کھانے کے بعد وہ ہال سے باہر نکل کر کچھ دوستوں کے ساتھ کھڑا باتیں کر رہا تھا‘ اچانک اس کی نظر فریال پر پڑی تھی‘ جو کسی اجنبی نوجوان کے ساتھ ہوٹل سے نکل کر باہر کی طرف جا رہی تھی‘ شاہد نے فریال کو ہوٹل کے فرسٹ فلور سے دیکھا تھا جبکہ فریال گراؤنڈ فلور پر تھی‘ اسے رات گئے فریال کو کسی نوجوان کے ساتھ ہوٹل میں دیکھ کر عجیب سا لگا تھا‘ وہ ان دونوں کو قریب سے دیکھ کر اپنی تسلی کر لینا چاہتا تھا‘ اس لیے اس نے کچھ سوچے سمجھے بغیر دوڑ لگا دی تھی اور ایک ساتھ دو دو تین تین سیڑھیاں اترتا ہوا تیزی سے نیچے اترنے لگا‘ وہ انتہائی تیز رفتاری سے نیچے آیا تھا‘ تب تک وہ دونوں ہوٹل کے بیرونی دروازے سے باہر نکل چکے تھے‘ اس نے اپنی رفتار اور بڑھا دی تھی‘ مگر جب وہ باہر نکلا تو وہ سیاہ رنگ کی ٹیوٹا کرولا میں بیٹھ کر اس کے سامنے سے گزرتے ہوئے ہوٹل کے گیٹ سے باہر نکل گئے تھے‘ شاہد کا دوڑتے ہوئے وہاں آنے کا مقصد محض اس نوجوان کو قریب سے دیکھنا تھا‘ جس میں وہ کامیاب بھی ہوگیا تھا‘ اس لیے ان کے جانے کے بعد وہ واپس ہوٹل کے ہال میں دوستوں کے ساتھ آ کھڑا ہوا تھا‘ مگر اس کا ذہن بری طرح الجھ کر رہ گیا تھا۔

......☆☆☆......

فریال نے فون پر اپنے لیٹ آنے کی خبر دے دی تھی اور دانش نے بخوشی اجازت بھی دے دی تھی‘ دانش کا خیال تھا کہ وہ تھوڑی دیر میں واپس آجائے گی‘ مگر فریال نے واپس آنے میں کافی دیر لگا دی تھی‘ اس لیے وہ اس کے انتظار میں پریشان بیٹھا تھا‘ فریال نے کھانا کھا کر آنا تھا‘ اس لیے وہ تینوں کھانا کھا چکے تھے‘ علی ٹی وی دیکھتا ہوا صوفے پر ہی سو گیا تھا جبکہ عمر اور دانش بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔

’’بہت دیر لگا دی؟‘‘ فریال کے آتے ہی دانش نے دریافت کیا۔

''کہیں جائیں تو دیر ہو ہی جاتی ہے۔'' فریال نے بے پرواہی سے جواب دیا۔
''بچے بھی بار بار تمہارا پوچھ رہے تھے اور میں بھی پریشان ہو رہا تھا۔''
''وہ تو دکھائی دے رہا ہے کہ تم میرے لیے کس قدر پریشان تھے۔'' فریال نے طنزیہ انداز میں بات کی تھی، پھر عمر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی ''اور یہ ابھی تک کیوں نہیں سویا۔''
''کل اسکول سے چھٹی بھی ہے اور کچھ تمہارا انتظار بھی تھا' اس وجہ سے میرے ساتھ بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا۔''
دانش کی بات کے دوران ہی فریال کی نظر میز پر رکھی ہوئی عمر کی پراگریس رپورٹ پر پڑی تو وہ اسے اٹھا کر پڑھنے لگی' وہ جیسے جیسے پراگریس رپورٹ پڑھتی جاتی تھی' اس کے چہرے پر غصے کے آثار نمایاں ہوتے جاتے تھے۔
''یہ کیا ہے؟'' پراگریس رپورٹ دانش کے سامنے نچاتے ہوئے فریال نے تلخ لہجے میں بات کی۔
''عمر کی پراگریس رپورٹ ہے۔''
''وہ تو مجھے بھی دکھائی دے رہا ہے' مگر کلاس میں اس کی پوزیشن اتنی نیچے کیسے آگئی...... فرسٹ ٹرم میں اس کی دوسری پوزیشن تھی اور اب سیکنڈ ٹرم میں دوسری سے ایک دم بارہویں پوزیشن پر آ گیا' جبکہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ یہ پہلی دوسری پوزیشن سے کبھی نیچے نہیں آیا۔'' فریال نے غصے سے چیختے ہوئے کہا۔
''ہاں...... وہ تو ہے۔''
''پھر یہ سب کیسے ہو گیا...... کیا تم اسے پڑھاتے نہیں؟'' فریال بدستور غصے کی حالت میں تھی۔
''میں اس کا ہوم ورک تو دیکھتا ہوں۔''
''تمہیں ٹی وی سے فرصت ملے تو کچھ اور کرو ناں' لیکن میں یہ پوچھتی ہوں' کیا اس کی پڑھائی کا خیال کرنا تمہاری ذمہ داری نہیں...... تمہیں یقیناً بھولا تو نہیں ہوگا کہ میں گھر کے دیگر کاموں کے علاوہ عمر کی پڑھائی پر بھی پوری توجہ دیتی تھی' اور کبھی اس کی پوزیشن نیچے نہیں آنے دی تھی۔''
فریال کی بات سن کر دانش نے گردن جھکا دی تھی' عمر کے معاملے میں اس سے واقعی کوتاہی ہوئی تھی' اس لیے اس میں فریال سے آنکھیں ملانے کی ہمت نہیں تھی' فریال نے آتے ہی دانش پر کافی غصہ نکال لیا تھا اس لیے اب اس کی توپوں کا رخ دانش سے ہٹ کر عمر کی طرف ہو گیا تھا' جو ماں کے چیخنے پر ہی خوف زدہ ہوا بیٹھا تھا۔
''عمر...... ادھر آؤ۔'' فریال نے عمر کو غصے سے دیکھتے ہوئے اپنی پاس بلایا۔
''جی ماما۔'' ڈرا سہا عمر' ماں کے بلانے پر خاموشی سے کسی مجرم کی طرح نگاہیں نیچی کیے ماں کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔
''پڑھتے نہیں ہو؟'' فریال نے عمر کے پاس آتے ہی اسے بالوں سے پکڑتے ہوئے پوچھا تھا' فریال اس قدر زور سے چیخی تھی کہ عمر رونے لگا تھا ''میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے...... بتاتے کیوں نہیں؟'' فریال نے بائیں ہاتھ سے عمر کو بالوں سے پکڑ رکھا تھا' اس نے اس کی گردن اوپر کرتے ہوئے دائیں ہاتھ سے عمر کے گال پر زوردار تھپڑ مارتے ہوئے کہا۔
''پڑھتا ہوں ماما۔'' عمر نے روتے ہوئے جواب دیا تھا۔
''بکواس بند کرو' اگر پڑھتے تو یہ حالت نہ ہوتی۔'' فریال نے رپورٹ اس کے سامنے کرتے ہوئے کہا تھا اور پھر اس کے چہرے اور کمر پر تھپڑ برسانے لگی تھی۔
دانش ابھی تک خاموش بیٹھا تھا' مگر فریال کا عمر کی پٹائی کرنا اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا' اس لیے درمیان میں بول پڑا ''اب کیا اسے جان سے مار ڈالو گی...... پڑھ لے گا وہ...... اور ہو جائے گی پوزیشن بھی بہتر۔''
فریال کو دانش کا بولنا اچھا نہیں لگا تھا' اس لیے اس نے غصے سے عمر کو دھکا دیتے ہوئے دور پھینک دیا' عمر ماں کا دھکا کھا کر فرش پر جا گرا تھا' عمر نے ماں کا یہ روپ پہلی بار دیکھا تھا' اس لیے اسے بہت تکلیف پہنچ رہی تھی۔
''جس طرح آپ مجھے مار رہی ہیں' مجھے تو لگتا ہے آپ میری ماں ہی نہیں ہیں۔'' عمر نے فرش پر ہی گرے روتے ہوئے کہا تھا۔
فریال غصے میں تو تھی ہی' عمر کی بات سن کر مزید بھڑک اٹھی تھی' وہ ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھی اور اوپر تلے عمر کی پیٹھ پر دو تین ٹانگیں مارتے

ہوئے دہاڑی ''کون سکھاتا ہے یہ باتیں تمہیں؟''

''بس اب جانے بھی دو یار......'' بیٹے کو بیوی کے غضب سے بچانے کے لیے دانش' فریال کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا اور اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے انتہائی پیار سے بولا تھا۔

فریال نے دانش کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا اور پاؤں پٹختی ہوئی بیڈروم میں چلی گئی تھی' فریال کے جانے کے بعد دانش نے عمر کو اٹھایا اور پیار سے اپنے ساتھ چمٹا لیا' باپ کی ہمدردی پاکر عمر بلک پڑا تھا' دانش نے اسے اپنے ساتھ چمٹا کر اس کی پیٹھ پر تھپکیاں دیں اور اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے چوما' کچھ دیر تک عمر باپ سے لپٹا روتا رہا پھر چپ ہو گیا' دانش نے علی کو صوفے سے اٹھا کر احتیاط سے کندھے سے لگا لیا' تاکہ اس کی آنکھ نہ کھل جائے' وہ علی کو کندھے سے لگائے بیڈروم کی طرف چلا تو عمر بھی اس کے ساتھ ساتھ ہو لیا' وہ کمرے میں پہنچے تو فریال بیڈروم کی تمام لائیٹس آف کر کے لیٹ چکی تھی' دانش نے جان بوجھ کر اس سے کوئی بات نہیں کی تھی اور دونوں بچوں کو لٹا کر خود بھی خاموشی سے لیٹ گیا تھا۔

عمر اور علی میں فریال کی جان تھی' یہ پہلا موقعہ تھا کہ اس نے کسی بات پر خفا ہو کر عمر پر ہاتھ اٹھایا تھا' وہ خود بھی حیران تھی کہ جب وہ گھر پہنچی تھی تو کس قدر خوش تھی' لیکن پھر اچانک اسے کیا ہو گیا تھا کہ وہ اپنے غصے پر قابو نہیں کر پائی تھی' وہ دیر تک خود سے ہی لڑتی رہی' بظاہر وہ بیڈروم میں آنے کے بعد لائٹس آف کر کے سو گئی تھی مگر دل میں اٹھنے والا پچھتاوا اسے جگائے ہوئے تھا' وہ انہی سوچوں میں گم تھی کہ عمر نے کروٹ لی اور اس کے سینے پر بازو رکھ دیا' فریال کو عمر پر بہت پیار آیا اور وہ پیار سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی' پھر اس نے عمر کے ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے کھینچ کر اسے اپنے ساتھ چمٹا لیا' ایسا کرنے سے اسے دلی سکون ملا تھا' اس کی آنکھیں بند ہوتی چلی گئی تھیں اور وہ تھوڑی ہی دیر میں سو گئی تھی۔

......☆☆☆......

کاشف نے ایک جوس کارنر کے سامنے گاڑی لا کھڑی کی تھی' گاڑی کے رکتے ہی ایک لڑکا ان کے پاس آ کھڑا ہوا تھا' کاشف نے اسے دو فریش ایپل جوس لانے کو کہا تھا' آرڈر ملتے ہی وہ لڑکا وہاں سے چلا گیا تھا' لڑکے نے جوس لانے میں زیادہ دیر نہیں لگائی تھی اور تھوڑی ہی دیر بعد ٹرے میں دو ڈسپوزیبل گلاسوں میں فریش ایپل جوس رکھے حاضر ہو گیا تھا' کاشف نے ایک گلاس اٹھا کر فریال کے ہاتھ میں تھما دیا تھا اور دوسرا گلاس خود لے لیا تھا' فریال جوس پینے لگی تھی اور سوچنے لگی تھی ''گاڑی میں بیٹھ کر جوس پینے کا اپنا ہی مزا ہے۔'' کاشف نے ایک بار پھر بازی مار لی تھی' کیونکہ دانش کو کبھی اتنی توفیق نہیں ہوئی تھی کہ وہ کبھی کہیں سے فریش جوس پلاتا' اگر وہ ایک دو بار اسے کہیں لے بھی گیا تھا تو اس نے اس کے بار بار کہنے پر بھی بمشکل گنے کا رس پلا کر ٹرخا دیا تھا۔

''کیا آپ کا تھوڑا سا ٹائم مل سکتا ہے؟'' لڑکے کے جوس دے کر جاتے ہی کاشف نے فریال سے پوچھا تھا۔

''کس لیے؟'' کاشف کے سوال پر فریال نے حیران ہو کر دریافت کیا تھا۔

''کچھ شاپنگ کرنی تھی۔'' کاشف نے چہرے پر مسکراہٹ سجاتے ہوئے کہا۔

''تو کر لیں......میری کیا ضرورت ہے؟''

''میں خواتین کے لیے شاپنگ میں انتہائی ناتجربہ کار ہوں......آپ کا ساتھ ہو گا تو شاپنگ میں آسانی رہے گی۔''

''لگتا ہے کوئی خاص شاپنگ کرنی ہے۔''

''ہاں۔''

''اپنی ہونے والی بیوی کے لیے تو شاپنگ نہیں ہونے لگی؟''

''بس ایسا ہی سمجھ لیں۔''

''او......تو یہ بات ہے۔'' فریال نے شرارتی لہجے میں بات کی۔

''جی۔''

''چلیں پھر کل چلیں گے' میں ذہنی طور پر تیار بھی ہوں گی اور گھر بھی کہہ دوں گی' پھر آپ کی ہونے والی ان کے لیے خوب جی بھر کر شاپنگ کریں گے۔''

’’چلیں ٹھیک ہے...... آج نہیں تو کل سہی۔‘‘ کاشف نے فریال کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔
روز کی طرح آج بھی باتوں کے دوران فریال کی منزل آگئی تھی‘ باتوں کا سلسلہ وہیں رُک گیا تھا اور وہ خاموشی سے اتر کر گھر کی طرف چل پڑی تھی۔
پروگرام کے مطابق اگلے روز دفتر سے چھٹی کے بعد فریال اور کاشف ایک ساتھ شاپنگ کے لیے نکل گئے تھے‘ وہ سب سے پہلے ایک بوتیک میں گئے تھے‘ جہاں ایک سے بڑھ کر ایک ڈیزائن کے بہت سے ریڈی میڈ سوٹ انتہائی سلیقے سے ہینگ کیے گئے تھے‘ فریال کو جو بھی سوٹ پسند آتا‘ وہ نکال کر دیکھنے سے پہلے اس پر لگے پرائس ٹیگ کو بغور دیکھتی تھی‘ کچھ دیر اسی طرح گزر گئی تھی‘ فریال کو وہاں لیڈیز سوٹ تو بہت سے پسند آرہے تھے مگر وہ ان کی قیمت دیکھ کر وہیں چھوڑ دیتی تھی۔
’’اگر یہاں کوئی سوٹ پسند نہیں آرہا تو کہیں اور چلیں؟‘‘ کاشف نے فریال کے قریب ہوتے ہوئے آہستہ سے بات کی۔
’’سوٹ تو بہت سے پسند آرہے ہیں...... مگر ان کی قیمت اس قدر زیادہ ہے کہ ہمت نہیں پڑ رہی۔‘‘ فریال نے حقیقت حال بیان کی۔
’’آپ کو جو بھی سوٹ پسند آتا ہے‘ وہ نکال لیں اور اس کی قیمت پر بالکل دھیان نہ دیں۔‘‘
کاشف کی بات نے فریال کو حوصلہ دیا تھا‘ جن جن سوٹوں پر اس کی نظر ٹھہری تھی‘ اس نے ایک ایک کر کے وہ سبھی نکلوا لیے تھے‘ وہ سوٹ نکالتی جاتی تھی اور ساتھ ساتھ سوچتی جاتی تھی کہ جس محبت سے کاشف اپنی ہونے والی دلہن کے لیے مہنگے مہنگے سوٹ خرید رہا تھا‘ کاش دانش نے بھی اسے کبھی ایسا سوٹ لے کر دیا ہوتا۔
’’اب انہیں ٹرائی روم میں جا کر پہن کے بھی دیکھ لیں۔‘‘ کاشف کی بات فریال کے کانوں میں پڑی تو اس کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا اور وہ سیل گرل کے گائیڈ کرنے پر ٹرائی روم میں گھس گئی‘ وہ جو بھی سوٹ ٹرائی کرتی تھی‘ اسے شیشے میں دیکھ کر خود پر ہی پیار آنے لگتا تھا۔
یہ مرحلہ بخوبی طے ہو گیا تھا‘ وہاں سے فارغ ہونے کے بعد وہ وہاں سے نکل گئے تھے‘ اس کے بعد کاشف اسے ہر اس بڑی سے بڑی دکان پر لے گیا تھا‘ جہاں سے خریداری کرنا ہر نوجوان لڑکی کا خواب تھا‘ انہوں نے بہت سی جیولری‘ میک اپ کا سامان‘ ریڈی میڈ گارمنٹس اور ان کے ساتھ میچنگ شوز خریدے تھے‘ ہر چیز فریال کی پسند سے لی گئی تھی‘ جہاں کپڑوں کی خریداری میں کلرز فریال کی چوائس سے لیے گئے تھے‘ وہیں جوتے بھی فریال کے سائز کے ہی لیے گئے تھے۔
یہ عجیب اتفاق تھا کہ خریداری کے بعد جب وہ ہاتھوں میں بہت سے شاپر لیے شاپنگ مال سے نکل رہے تھے تو شاہد کی نظر ان پر پڑ گئی تھی‘ ان دونوں کو ایک ساتھ دیکھ کر شاہد کو ایک بار پھر زوردار جھٹکا لگا تھا‘ مگر وہ ان کی نظروں میں آنے سے بچنے کی غرض سے ایک طرف ہو گیا تھا‘ پھر جب وہ گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے نکلے تو وہ وہیں کھڑا انہیں دور تک جاتے ہوئے دیکھتا رہا‘ کچھ دور جا کر گاڑی دائیں طرف کو مڑ گئی تھی‘ شاہد سوچنے لگا تھا کہ فریال کے ساتھ جو نوجوان تھا‘ اگر وہ دانش کا کوئی رشتہ دار بھی تھا تو فریال کو گھر جانے کے لیے گاڑی بائیں طرف کو مڑنی چاہئے تھی‘ مگر جس طرف کو وہ مڑے تھے‘ وہ تو انہیں اپنے گھر سے مزید دور کرنے والا تھا۔
شاہد کچھ دیر وہیں کھڑا سوچتا رہا‘ مگر وہ جس قدر سوچتا جاتا تھا‘ اس کا دماغ مزید الجھتا جاتا تھا‘ اس کے دماغ میں جس طرح کے سوالات اٹھ رہے تھے‘ دل انہیں ماننے کو تیار نہیں ہو رہا تھا‘ اس نے جب پہلی بار ان دونوں کو ایک ساتھ ہوٹل سے کھانا کھا کر نکلتے ہوئے دیکھا تھا‘ اس وقت بھی اس کی حالت ایسی ہی ہو گئی تھی‘ اسے خود پر قابو پانا انتہائی مشکل ہو گیا تھا‘ وہ اس معاملے میں کاشف سے بات کرنا چاہتا تھا‘ مگر پھر کچھ سوچ کر اپنے ارادوں سے باز رہا تھا۔
شاہد کے اندر بھونچال کی سی کیفیت ہو رہی تھی‘ وہ کچھ دیر تک بلا ارادہ وہیں کھڑا رہا‘ پھر اس نے اپنی بائیک سٹارٹ کی اور بوجھل دل کے ساتھ اپنے گھر کی طرف چل پڑا‘ ابھی وہ تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ ایک ریسٹورنٹ کے سامنے سے گزرتے ہوئے اچانک اس کی نظر سیاہ رنگ کی گاڑی پر پڑی‘ جسے ریسٹورنٹ کے سامنے سڑک کنارے پارک کیا گیا تھا‘ یہ وہی گاڑی تھی جس میں کچھ دیر پہلے فریال اس نوجوان کے ساتھ بیٹھ کر گئی تھی‘ شاہد نے جب پہلی بار ان دونوں کو دیکھا تھا تو گاڑی کا رنگ اور نمبر اس کے دل پر نقش ہو کر رہ گیا تھا‘ گاڑی پر نظر پڑتے ہی شاہد نے موٹر سائیکل کو بریک لگا دی اور ایک طرف کھڑا ہو کر گاڑی کا جائزہ لینے لگا‘ اس وقت گاڑی میں کوئی نہیں تھا‘ جس سے یہ بات واضح ہو رہی تھی کہ وہ لوگ ریسٹورنٹ میں کھانا کھانے گئے ہوں گے۔
وہ خاموشی سے وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا‘ مگر کوئی طاقت ایسی تھی‘ جس نے اس کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی تھیں‘ اس نے موٹر

سائیکل ایک طرف کھڑی کی اور انتہائی محتاط ہو کر اپنی نظریں ریسٹورنٹ کے دروازے پر لگا دیں، اب وہ جس جگہ کھڑا تھا، وہاں روشنی نہ ہونے کی وجہ سے کسی پر اس کی نگاہ نہیں پڑ سکتی تھی، جبکہ وہ با آسانی ریسٹورنٹ میں آنے جانے والوں پر نظر رکھ سکتا تھا، بہت سے لوگ آ جا رہے تھے، اس نے اپنی نظریں مسلسل دروازے پر جمار کھی تھیں، کافی دیر گزر گئی تھی مگر وہ دونوں ابھی تک ریسٹورنٹ سے باہر نہیں آئے تھے۔

کچھ دیر اسی کیفیت میں گزر گئی تھی، شاہد نے اس دوران کئی سگریٹ پھونک ڈالے تھے، مگر انتظار ختم نہیں ہوا تھا، ایک دو بار اس کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ وہ وہاں کھڑا خواہ مخواہ وقت ضائع کر رہا تھا، اسے جس شک نے گھیر لیا تھا، وہ کسی نہ کسی بہانے دانش سے بات کر کے اسے دور کر سکتا تھا، مگر دل اسے وہاں سے جانے کی اجازت نہیں دے رہا تھا، کچھ ہی دیر میں شاہد کا انتظار ختم ہو گیا تھا اور اس نے فریال کے ساتھ اس نوجوان کو ریسٹورنٹ سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا تھا، وہ دونوں مسکراتے ہوئے ریسٹورنٹ سے باہر آئے تھے اور پھر گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے نکل گئے تھے۔

فریال کے گھر پہنچنے تک ماں کا انتظار کرتے کرتے دونوں بچے سو گئے تھے، جبکہ دانش صوفے پر بیٹھا اونگھ رہا تھا، گو کہ فریال اس کی اجازت سے آفس سے سیدھی کسی دوست کی منگنی میں شرکت کے لیے گئی تھی اور جلد واپس آنے کا کہہ گئی تھی، مگر جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا تھا، اس کی پریشانی بڑھتی جاتی تھی، اس نے کئی بار فریال کے موبائل پر بات کرنے کے لیے نمبر ملانے کی کوشش کی تھی مگر وہ آف مل رہا تھا۔

ڈور بیل بجی تو اس کی جان میں جان آئی اور اس نے جلدی سے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔

''خیر تو تھی...... اتنی دیر لگا دی؟'' فریال کے اندر داخل ہوتے ہی دانش نے پریشانی کے عالم میں دریافت کیا۔

''اب اتنی دیر بھی نہیں ہوئی...... جتنی تم سمجھ رہے ہو...... شام ہوتے ہی تمہاری رات ہو جاتی ہے...... اسی لیے تم ایسا کہہ رہے ہو...... ورنہ کبھی باہر نکل کر دیکھو تو تمہیں معلوم ہو کہ باہر کس قدر رونق ہے۔'' فریال نے دانش کی بات کا سیدھا جواب دینے اور دیر سے آنے پر کسی قسم کی شرمندگی کا اظہار کرنے کی بجائے، الٹا اسے سنا ڈالی تھی۔

اس سے پہلے کہ دانش مزید کوئی بات کرتا، فریال بیڈ روم کی طرف بڑھ گئی تھی اور وہ وہیں صوفے پر بیٹھا اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہ گیا تھا، وہ کچھ دیر تک وہیں بیٹھا سوچتا رہا، پھر اٹھ کر وہ بھی بیڈ روم میں چلا گیا، بیڈ روم کی لائٹ جل رہی تھی اور فریال واش روم میں گھسی ہوئی تھی، وہ خاموشی سے ایک طرف کو کروٹ لے کر بیڈ پر لیٹ گیا تھا، اس کا خیال تھا کہ وہ واش روم سے نکل کر سیدھی اسی کے پاس آئے گی اور لیٹ آنے پر معافی مانگتے ہوئے اسے منا لے گی، مگر ایسا کچھ نہیں ہوا تھا، فریال نے واش روم سے نکل کر بیڈ روم کی لائٹ آف کی اور دوسری طرف کروٹ لے کر لیٹ گئی تھی۔

......☆☆☆......

کاشف کے کہنے پر فریال کئی بار دانش سے جھوٹ بول چکی تھی، کبھی کبھی اسے خود بھی اس بات کا احساس ہونے لگتا تھا کہ وہ ایسا کیوں کر رہی تھی، مگر پھر بھی جب جب کاشف نے اسے کہیں لے جانا چاہا تھا، وہ انکار نہیں کر پائی تھی، اور دانش سے جھوٹ سچ بول کر اجازت لے لی تھی، اب پھر کچھ دنوں سے کاشف اسے کسی خاص ہستی سے ملوانا چاہ رہا تھا، مگر فریال انکار کرتی چلی آ رہی تھی، لیکن کاشف نے اپنے طور پر اس ہستی سے ملوانے کا دن اور وقت طے کر لیا تھا۔

''آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا...... کم از کم مجھے گھر والوں سے اجازت تو لینے دی ہوتی۔'' کاشف کی بات سن کر فریال نے اپنی بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا۔

''میں جس ہستی سے آپ کو ملوانا چاہتا ہوں، وہ آپ سے ملاقات کے لیے اس قدر بے تاب ہے کہ مجھے آپ سے پوچھے بغیر ہی ملاقات کا پروگرام بنانا پڑا۔''

''اگر مجھے گھر سے اجازت نہ ملی تو؟''

''ایک تو آپ گھر والوں سے ضرورت سے زیادہ ڈرتی ہیں...... جب آپ کسی سے ملنے کا بتائیں گی تو یہ کیسے ممکن ہے کہ گھر والے انکار کریں۔''

''اچھا بابا...... جیسے بھی ممکن ہوا، اجازت لے لوں گی...... لیکن...... یہ آخری بار ہوگا...... آئندہ آپ کوئی بھی پروگرام مجھ سے پوچھے بغیر نہیں بنائیں گے۔'' فریال نے کاشف کی ضد کے سامنے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

فریال کو علم تھا کہ اس بار دانش اسے اتنی آسانی سے کہیں جانے کی اجازت نہیں دے گا' اس لیے اس نے ایسی منصوبہ بندی کی تھی کہ دانش کے لیے انکار کی کوئی گنجائش نہیں رہنے دی تھی' دانش نے فریال کو جانے کی اجازت دیتے ہوئے بس اتنا کہا تھا ''یوں راتوں کو بار بار تمہارا دیر تک باہر رہنا مناسب نہیں' اس لیے کوشش کرنا کہ زیادہ دیر نہ ہو۔'' دانش کی بات سن کر کوئی جواب دینے کی بجائے فریال نے گردن ہلا دی تھی۔

فریال نے کاشف کے کہنے پر دانش سے اجازت تو لے لی تھی لیکن وہ یہ گتھی ابھی تک سلجھا نہیں پائی تھی کہ آخر وہ کون ہے' جس سے کاشف اسے ملوانا چاہتا تھا' فریال کے بار بار پوچھنے پر بھی کاشف نے بات گول مول کر دی تھی' وہ مختلف راستوں سے ہوتے ہوئے ایک پوش علاقے میں پہنچ گئے تھے' شام ڈھل چکی تھی اور اسٹریٹ لائیٹس روشن کر دی گئی تھیں' کاشف نے ایک خوب صورت بنگلے کے گیٹ کے سامنے گاڑی روک دی تھی' سفر کے دوران ان کے درمیان خاموشی چھائی رہی تھی' نہ کاشف نے کوئی بات کی تھی اور نہ ہی فریال کچھ بول پائی تھی' فریال کا ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا اور اس کے دماغ میں طرح طرح کے سوالات ابھر رہے تھے مگر اس نے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔

کاشف کے وہاں پہنچتے ہی گیٹ خود بخود کھل گیا تھا اور پھر جیسے ہی وہ اندر داخل ہوئے تو فریال نے گیٹ کے آٹومیٹک بند ہونے کی آواز سنی تھی' کاشف نے گیراج میں گاڑی پارک کی تو وہ دونوں گاڑی سے باہر نکل آئے' گھر کی بیرونی دیوار کے ساتھ ہی لان تھا' جس میں طرح طرح کے پھول کھلے ہوئے تھے جن سے اٹھنے والی خوشبو نے فضا کو مہکا رکھا تھا' لان میں لگے ہوئے پودوں اور گھاس کی تراش خراش انتہائی عمدگی سے کی ہوئی تھی' وہاں پھیلا ہوا سناٹا دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اس گھر میں کوئی بھی نہ تھا' یہ سوچ کر ہی فریال کے پورے جسم میں سنسنی پھیل گئی تھی کہ اگر اس گھر میں کوئی بھی نہیں تھا تو کاشف اسے وہاں کس سے ملوانے لایا تھا۔

وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے تو سامنے ایک راہداری تھی' جس میں کچھ بلب روشن تھے' لیکن کوئی ذی روح وہاں بھی دکھائی نہیں دیا تھا' راہداری کے دونوں طرف کمرے تھے' جن کے دروازے بند تھے' کاشف آگے آگے چلتا جا رہا تھا جبکہ فریال آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی اس کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی' اب فریال کو گھبراہٹ ہونے لگی تھی اور ہلکا ہلکا سا پسینہ بھی آنے لگا تھا' وہ اس پل کو کوسنے لگی تھی' جب کاشف کے کہنے پر اس نے اس کے ساتھ جانے کی ہامی بھری تھی' وہاں پھیلی ہوئی خاموشی دیکھ کر وہ دہشت زدہ ہو گئی تھی' وہاں کسی بھی لمحے کچھ بھی ہو سکتا تھا' اس لیے اس نے ذہنی طور پر خود کو ہر طرح کے خطرے کا سامنا کرنے کے لیے تیار کر لیا تھا' وہ راہداری سے گزر کر ایک دروازے کے سامنے آ پہنچے تھے' جو شیشے کا بنا ہوا تھا' کاشف نے آگے بڑھ کر فریال کے لیے دروازہ کھول دیا تھا اور خود ایک طرف ہو کر اسے اندر جانے کا راستہ دے دیا تھا۔

فریال ڈرتے ڈرتے اس کمرے میں داخل ہوئی تھی' اس کے کمرے میں قدم رکھتے ہی تالیوں اور ہیپی برتھ ڈے ٹو یو کی صدا سے اس کا شاندار استقبال کیا گیا تھا' یہ ہال نما بڑا کمرہ تھا' جس میں بہت سے لوگ جمع تھے' میڈم نازیہ نے آگے بڑھ کر اسے اپنی بانہوں میں بھر لیا تھا اور پھر انتہائی پیار سے اس کا ماتھا چوما تھا' فریال کو دیکھ کر آنٹی نازیہ نے اس قدر پیار سے اس کا ماتھا چوما تھا کہ اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں اور وہ سوچنے لگی تھی کہ ایسی چاہت اور عقیدت سے تو اس کی اپنی ماں نے بھی کبھی خوش ہو کر اس کا ماتھا نہیں چوما تھا' جبکہ وہ اس کی کچھ بھی نہیں تھی' مگر پھر بھی اس کی محبت میں خلوص ہی خلوص بھرا ہوا تھا۔

فریال کو دیکھ کر میڈم نازیہ کی خوشی دیدنی تھی' انہوں نے پیار سے فریال کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے ساتھ دوسرے کمرے میں لے گئیں' یہ مکمل بیڈ روم تھا' جس میں انتہائی قیمتی بیڈ بچھا تھا' بیڈ کے ساتھ ہی ایک صوفہ تھا' جس کے سامنے کرسٹل کا ٹیبل تھا' جس پر بہت سے قیمتی شو پیس رکھے ہوئے تھے' ایک طرف ڈریسنگ ٹیبل بھی تھی' جو میک اپ کے سامان اور پرفیومز سے بھری ہوئی تھی۔

''یہ لو...... اسے پہن لو اور جلدی سے تیار ہو کر مہمانوں کے پاس آ جاؤ...... آج میری پیاری سی بیٹی کی سالگرہ ہے اور میری بیٹی سب سے پیاری لگنی چاہئے۔'' میڈم نازیہ نے فریال کے گالوں کو تھپتھپا کر ایک خوب صورت ڈریس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تھا۔

میڈم نازیہ کا دیا ہوا سوٹ فریال کے ہاتھوں میں تھا' وہ اس سوٹ کو دیکھتے ہی پہچان گئی تھی کہ یہ وہی سوٹ تھا' جو کاشف نے اس کی پسند سے یہ کہہ کر خریدا تھا کہ وہ اپنی ہونے والی دلہن کے لیے لے رہا ہے' فریال کچھ کہہ نہیں پائی تھی اور ابھی تک اس سوٹ کے بارے میں سوچ رہی تھی' جو اس نے ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا۔

''اور ہاں بیٹا' کپڑے چینج کرتے ہوئے بیڈ روم کی کنڈی احتیاط سے لگا لینا' یہ نہ ہو کوئی مہمان ہی ادھر آ جائے اور بیڈ روم کھلا دیکھ کر

بے دھیانی میں اندر آ گھسے۔‘‘ میڈم نازیہ نے بات کی اور جلدی سے کمرے سے نکل گئی‘ فریال سوچتی ہی رہ گئی کہ وہ کوئی بات کرے مگر اسے اتنا موقعہ ہی نہیں ملا تھا۔

میڈم نازیہ کے جاتے ہی فریال نے ان کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے دروازے کو اچھی طرح لاک کر دیا تھا اور کھڑکیوں پر لٹکتے ہوئے پردوں کو درست کر کے کپڑے تبدیل کرنے لگی تھی‘ فریال نے اپنی پوری زندگی میں اس قدر قیمتی لباس کبھی زیب تن نہیں کیا تھا‘ وہ ڈریس پہن کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے تیار ہونے لگی تھی‘ اسی دوران دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی تھی۔

’’کون ہے؟‘‘ دروازہ کھولنے سے پہلے اس نے پوچھ لینا مناسب خیال کرتے ہوئے سوال کیا تھا۔

’’ہمیں میڈم نے میک اپ میں آپ کی مدد کے لیے بھیجا ہے۔‘‘ باہر سے جواب دیا گیا تھا۔

اپنی تسلی کر لینے کے بعد اس نے دروازہ کھول دیا تھا‘ دروازہ کھلنے پر دو نوجوان لڑکیاں چہروں پر مسکراہٹ سجائے اندر داخل ہوئی تھیں اور تیار ہونے میں فریال کی مدد کرنے لگی تھیں‘ ڈریسنگ ٹیبل پر ہر طرح کا امپورٹڈ میک اپ کا سامان موجود تھا‘ اس لیے اسے تیار ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی‘ مہمانوں کے سامنے جانے سے پہلے اس نے خود کو غور سے آئینے میں دیکھا تھا‘ وہ اس قدر دلکش دکھائی دے رہی تھی کہ اسے خود پر ہی پیار آنے لگا تھا۔

تیار ہونے کے بعد وہ دونوں لڑکیوں کے ہمراہ واپس اسی ہال نما کمرے میں آ گئی تھی‘ جہاں سبھی مہمان اس کے انتظار میں بیٹھے تھے‘ اسے دیکھتے ہی تمام مہمان اس ٹیبل کے پاس آ کھڑے ہوئے تھے‘ جس پر ایک بہت بڑا کیک رکھا تھا‘ جس کے اردگرد کچھ موم بتیاں بھی جل رہی تھیں‘ میڈم نازیہ کا اشارہ پاتے ہی اس نے پھونک مار کر موم بتیاں بجھائیں اور پھر کیک پر چھری چلا دی تھی‘ کیک کٹتے ہی ایک بار پھر ہال تالیوں اور ہیپی برتھ ڈے ٹو یو کی آوازوں سے گونج اٹھا تھا‘ فریال نے کیک کا ایک ٹکڑا کاٹ کر سب سے پہلے میڈم نازیہ کے منہ میں ڈالا تھا‘ میڈم نازیہ نے بھی کیک کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا اٹھا کر فریال کو کھلاتے ہوئے اسے اپنے سینے سے لگا کر بہت سی دعائیں دی تھیں۔

کھانے سے فارغ ہو کر ایک ایک کر کے سبھی مہمان وہاں سے رخصت ہونے لگے تھے‘ فریال ماحول کی رنگینیوں میں اس قدر محو تھی کہ اسے وقت گزرنے کا احساس تک نہیں ہوا تھا‘ فریال کا دل چاہ رہا تھا کہ کاش وقت وہیں تھم جائے‘ مگر وقت کب کہیں رکتا ہے‘ وہ شہر کے انتہائی قیمتی اور پوش علاقے میں کئی کنال پر پھیلے ہوئے اس عالیشان بنگلے کو چھوڑ کر واپس اسی ڈھائی مرلے کے گھر میں جانا نہیں چاہتی تھی‘ مگر پھر بھی اسے جانا تھا۔

بہت سے مہمان وہاں سے رخصت ہو چکے تھے اور جو رہ گئے تھے وہ جانے کے لیے تیار بیٹھے تھے‘ فریال نے بھی میڈم نازیہ سے جانے کی اجازت لے لی تھی‘ وہ دانش کے چبھتے ہوئے سوالات سے بچنے کے لیے گھر جانے سے قبل کپڑے تبدیل کر کے اپنے چہرے سے میک اپ صاف کر دینا چاہتی تھی‘ اس لیے وہ واپس اسی کمرے میں آ گئی تھی جہاں سے تیار ہو کر گئی تھی‘ وہاں آتے ہی اس نے وہ کپڑے چینج کر کے پہلے والے کپڑے پہن لیے تھے اور واش روم میں جا کر اپنے چہرے اور ہاتھوں کو اچھی طرح دھو ڈالا تھا۔

’’آنٹی......اب مجھے اجازت دیں۔‘‘ ہال میں واپس آتے ہی فریال نے میڈم نازیہ کے قریب ہوتے ہوئے کہا تھا۔

’’ٹھیک ہے بیٹی......رات بھی بہت ہو چکی ہے اور تمہارے گھر والے بھی انتظار کر رہے ہوں گے۔‘‘ میڈم نازیہ نے پیار سے فریال کے سر پر ہاتھ پھیر کر گلے لگاتے ہوئے کہا تھا۔

’’آج آپ نے جو محبت مجھے دی ہے......میں اسے بھلانا بھی چاہوں تو شاید کبھی بھلا نہ پاؤں۔‘‘

’’یہ تو محض اپنی بیٹی سے ملاقات کا ایک بہانہ تھا۔‘‘ میڈم نازیہ نے پیار سے فریال کے گالوں کو تھپتھپاتے ہوئے کہا تھا۔

’’ویسے آنٹی......سچ پوچھیں تو یہاں آنے سے پہلے تک خود مجھے بھی یاد نہیں تھا کہ آج میرا برتھ ڈے ہے۔‘‘ فریال نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

’’لیکن آنٹی کو یاد تھا۔‘‘ میڈم نازیہ نے فریال کی آنکھوں میں پیار سے جھانکتے ہوئے کہا‘ کاشف ان کے پاس ہی خاموش کھڑا تھا‘ میڈم نازیہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی ’’کاشف! تم فریال کو اس کے گھر چھوڑ آؤ اور یہ سب فریال بی بی کے لیے ہیں......انہیں اٹھا کر کاشف کی گاڑی میں رکھ دو۔‘‘ میڈم نازیہ نے ایک ملازم کو بلا کر میز پر پڑے ہوئے شاپروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حکم دیا تھا۔

’’ان میں کیا ہے آنٹی؟‘‘

''یہ تمہاری سالگرہ کا تحفہ ہے۔''

''اتنا کچھ......

''یہ اتنا بھی زیادہ نہیں......بس وہی کچھ ہے جو اس روز کاشف کے ساتھ تم نے اپنی پسند سے خریدا تھا۔''

''مگر......وہ......تو۔''

''بس اب اس سے آگے کچھ نہیں کہنا۔''

مالکن کا حکم سن کر ملازم میز پر پڑے ہوئے تمام شاپر اٹھا کر گاڑی میں رکھنے کے لیے چل پڑا تھا' کاشف بھی اس کے ساتھ ساتھ ہولیا تھا' فریال بھی میڈم نازیہ کو خدا حافظ کہتی ہوئی کاشف کے پیچھے پیچھے چل پڑی تھی۔

''آپ کا بہت شکریہ کہ آپ نے میری برتھ ڈے کو اس قدر خوب صورتی سے منایا......اور میرے لیے اس دن کو یادگار بنا دیا۔'' گاڑی میں بیٹھتے ہی فریال نے کاشف کو مسکرا کر دیکھتے ہوئے کہا۔

''ویسے تو اس میں شکریہ ادا کرنے والی ایسی کوئی بات نہیں......لیکن کیا آنٹی کا شکریہ ادا کر دینا ہی کافی نہیں تھا۔''

''لیکن میں یہ سمجھ نہیں پائی کہ آپ کو میری برتھ ڈے کا دن کیسے معلوم ہوا؟''

فریال کے اس اچانک سوال نے کاشف کو ایک لمحے کے لیے پریشان کر ڈالا تھا' مگر اس نے فوراً ہی اس پریشانی پر قابو پالیا تھا اور انتہائی اعتماد سے بولا ''ہم دوستوں کی خبر رکھتے ہیں۔'' کاشف نے بات کی اور پھر ایک لمبی سانس چھوڑتے ہوئے چہرے پر شرارت سجا کر بولا ''یہ تو سالگرہ کا دن تھا' ہم تو آپ کے بارے میں وہ کچھ بھی جانتے ہیں' جو خود آپ کو بھی معلوم نہیں ہوگا۔''

''کیا مطلب؟''

''ارے کچھ نہیں......بس ایسے ہی آپ سے مذاق کر رہا تھا۔'' کاشف نے ہنستے ہوئے بات کی تھی' پھر ان کے درمیان خاموشی چھا گئی تھی۔

رات کافی بیت چکی تھی' اس لیے سڑکوں پر ٹریفک معمول سے بہت کم تھی' ٹریفک کم ہونے کی وجہ سے کاشف گاڑی دوڑاتا ہوا جا رہا تھا' جس قدر تیزی سے سفر طے ہو رہا تھا' اس سے کہیں زیادہ تیزی سے فریال کا ذہن کاشف اور دانش کا موازنہ کرنے میں مصروف تھا' وہ سوچنے لگی تھی کہ کاشف نے اس کی خوشی کی خاطر کس قدر خلوص اور محبت سے اس کی سالگرہ کا اہتمام کیا تھا جبکہ دانش نے جھوٹے منہ سے بھی اسے وش تک نہیں کیا تھا' اسے تو یہ بھی یاد نہیں ہوگا کہ آج اس کی بیوی کی سالگرہ ہے' یہاں بھی کاشف نے بازی مار لی تھی اور دانش' فریال کے دل سے کچھ اور دور ہو گیا تھا۔

رات کا وقت تھا' اس لیے کاشف اسے گھر کے دروازے تک چھوڑنے کے لیے بضد تھا' جبکہ فریال نہیں چاہتی تھی کہ اسے اس کے گھر کے بارے میں پتہ چلے' اس لیے اس نے اس معاملے میں کاشف کی ایک نہیں سنی تھی اور ہمیشہ کی طرح سڑک پر ہی اتر گئی تھی۔

وہ ہاتھوں میں آنٹی نازیہ کے دیے ہوئے تحائف سے بھرے شاپر تھامے تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی گھر پہنچی تھی' اس کے پہلی بار ہی ڈور بیل بجانے پر دانش نے جس قدر جلدی سے دروازہ کھولا تھا' اس سے صاف پتہ چل رہا تھا کہ وہ اس کے انتظار میں بیٹھا تھا' دروازہ کھلنے پر فریال اندر آئی تو اس کی نگاہ عمر اور علی پر پڑی' جو صوفے پر ہی پڑے سو رہے تھے۔

''انہیں تو اٹھا کر بیڈ پر لٹا دینا تھا۔'' فریال نے بچوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

''ہم تینوں ہی تمہارے آنے کا انتظار کر رہے تھے......ان کی تو آنکھ لگ گئی اور میں ابھی تک تمہارے انتظار میں بیٹھا تھا......میں بار بار تمہارے موبائل پر بھی فون کر رہا تھا مگر مسلسل آف جا رہا تھا۔''

''تمہیں تو پتہ ہے' میں جب بھی آفس یا گھر سے باہر ہوتی ہوں تو ہمیشہ موبائل آف رکھتی ہوں' کیونکہ ایک تو مجھے راستے میں بات کرنا پسند نہیں اور سرِ راہ بات کرتے ہوئے موبائل کے چھن جانے کا الگ خوف رہتا ہے' لیکن تمہارے ساتھ ساتھ بچے میرا انتظار کیوں کر رہے تھے۔''

''آج تمہاری سالگرہ جو تھی......بچے میرے ساتھ مل کر تمہارے لیے شوق سے کیک لے کر آئے تھے......میں نے تمہاری پسند کا کھانا بھی بنایا تھا......مگر تم اب آئی ہو جب بچے بھی سو چکے ہیں۔''

''اب تو میں آگئی ہوں ناں...... تم بھی سو جاؤ۔'' فریال نے قدرے تلخ لہجے میں بات کی تھی۔
''دیکھو...... آج تمہاری سالگرہ کا دن ہے' اس لیے میں کوئی بد مزگی کی بات نہیں کرنا چاہتا...... ورنہ تمہیں یاد تو ہوگا' جب میرے ذرا سے لیٹ آنے پر بھی تم آسمان سر پر اٹھالیا کرتی تھیں اور اب۔'' دانش نے بات بڑھ جانے کے خوف سے بات ادھوری ہی چھوڑ دی تھی۔

''کچھ اور بھی کہنا ہے تو کہہ ڈالو...... ایسا نہ ہو کوئی بات دل میں ہی رہ جائے۔''
دانش کو فریال کے لہجے کی تلخی صاف محسوس ہو رہی تھی' مگر اس نے کسی بھی طرح اپنا غصہ پی لیا تھا اور پاس پڑا ہوا گفٹ پیک میں لپٹا ہوا ایک پیکٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے چہرے پر مسکراہٹ سجا کر بولا ''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو...... یہ میری طرف سے تمہارا برتھ ڈے گفٹ۔''
''تھینک یو۔'' فریال نے بے دلی سے دانش کے ہاتھ سے پیکٹ پکڑ کر وہیں میز پر رکھتے ہوئے کہا۔
''اسے کھول کر تو دیکھ لو۔''
''میں بہت تھکی ہوئی ہوں...... صبح دیکھ لوں گی۔'' فریال نے دانش کے جذبات کی پروا کیے بغیر ناگواری سے بات کی تھی اور آنٹی نازیہ کے دیے ہوئے تحائف والے شاپر احتیاط سے اٹھا کر بیڈ روم کی طرف چل پڑی تھی' وہ چلی گئی تھی اور دانش وہیں بیٹھا اس کے بدلتے ہوئے رویے کے متعلق سوچنے لگا تھا۔

......☆☆☆......

فریال کا دل چاہتا تھا کہ وہ زارا سے کاشف کے بارے میں جی بھر کے باتیں کرے اور اسے اپنے دل میں اٹھنے والے طوفان کے بارے میں بتائے' مگر کوئی نہ کوئی مصلحت اسے ایسا کرنے سے روکے رکھتی تھی اور دل کی بات زبان پر آتے آتے رک جاتی تھی' پچھلے کچھ دنوں سے زارا کی روز بروز بگڑتی ہوئی حالت نے اسے پریشان کر رکھا تھا' مگر اس کے بار بار پوچھنے پر بھی وہ اپنی پریشانی اس سے شیئر نہیں کر پا رہی تھی' اس کے چہرے پر لکھا ہوا صاف دکھائی دے رہا تھا کہ اس کے اندر ٹوٹ پھوٹ کا عمل جاری ہے اور وہ اس کے بارے میں سب کچھ کہہ دینا چاہتی تھی مگر اس کے باوجود اس نے اپنے لبوں پر چپ کی مہر لگا رکھی تھی۔
وہ کئی دنوں سے مناسب موقعہ کی تلاش میں تھی' آج قدرت نے اسے وہ موقعہ فراہم کر دیا تھا' باس کسی ذاتی کام کے سلسلے میں دو روز کے لیے اسلام آباد گئے ہوئے تھے' ان کے نہ ہونے کی وجہ سے دفتر میں پکنک کا سا سماں تھا' آفس کا آدھا اسٹاف تو ویسے ہی کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر کھسک گیا تھا' جو باقی رہ گئے تھے وہ بھی دو دو تین تین کی ٹولیوں میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے' فریال نے زارا کو کریدنے کا فیصلہ کر لیا اور اسے ایک کونے میں لے کر بیٹھ گئی۔
''میں کئی روز سے تم سے بات کرنا چاہ رہی تھی...... مگر تم ہو کہ ہاتھ ہی نہیں پکڑاتی۔''
''ارے میری جان...... تم ہاتھ کی بات کرتی ہو...... میں پوری کی پوری حاضر ہوں...... تم ایک بار حکم تو کرو۔''
''میرا کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میں تم سے بات کرنا چاہتی ہوں...... مگر بات ہی نہیں ہو پاتی......''
''ہاں...... کہو کیا کہنا ہے؟''
''ویسے مجھے اتنا تو حق ہے ناں کہ تمہارے بارے میں میرے دل سے کوئی سوال اٹھے تو میں تم سے اس کا جواب جان سکوں۔''
''ہماری دوستی کوئی سال چھ مہینے سے نہیں...... ہم بچپن سے ایک دوسرے کی دوست ہیں...... لیکن تم آج اتنی فارمل کیوں ہو رہی ہو...... جو پوچھنا ہے بے دھڑک پوچھو۔''
زارا کے جواب سے فریال کو حوصلہ ملا تھا' اس لیے اصل بات کی طرف آنے کے لیے وہ مناسب الفاظ تلاش کرنے لگی تھی...... اور اسے وہ الفاظ فوری طور پر مل بھی گئے تھے۔
''جانے کیوں مجھے ایسا محسوس ہونے لگا ہے' جیسے تم نے اندر ہی اندر کوئی ایسا دکھ پال لیا ہے...... جو تمہیں ہر پل بے چین کیے رکھتا ہے...... جس نے تمہیں اندر سے اس قدر زخمی کر ڈالا ہے کہ اس کے درد کی شدت کے آثار تمہارے چہرے پر بھی صاف دکھائی دینے لگے ہیں۔'' فریال نے اپنی بات زارا تک پہنچا دی تھی' اس لیے وہ خاموش ہو گئی تھی اور زارا کے چہرے پر پیدا ہونے والے اتار چڑھاؤ کو بغور دیکھنے لگی تھی۔

فریال کی بات سن کر ایک لمحے کے لیے زارا گم صم سی ہو گئی تھی‘ پھر اس نے ایک لمبی سانس لے کر چھوڑی اور ہمت کر کے بولی...... ’’یہ وہ زخم ہیں...... جنہیں میں خود سے بھی چھپاتی پھرتی ہوں...... لیکن کبھی کبھی سوچتی ہوں...... میں ان زخموں کو ساتھ ساتھ لیے زیادہ عرصے تک نہیں چل سکوں گی...... کیونکہ خدا کے سوا یہ کوئی نہیں جانتا کہ میرا سینہ کس قدر گھائل ہے...... موت کا آہنی شکنجہ کسی بھی وقت میری گردن دبوچ لے گا۔‘‘ بات کرتے ہوئے زارا کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے‘ اس لیے وہ آگے کچھ کہہ نہیں پائی تھی۔

دوست کی آنکھوں سے آنسو بہتے دیکھ کر‘ فریال کی آنکھیں بھی بھر آئی تھیں‘ اس نے زارا کے قریب ہوتے ہوئے‘ اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیے تھے اور اسے پیار سے سمجھانے لگی تھی...... ’’پریشان نہیں ہوا کرتے...... اگر میں تمہارے کسی کام آسکتی ہوں تو مجھے بتاؤ...... اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا...... بس حوصلہ رکھو......‘‘

......☆☆☆......

’’اتنا بڑا حوصلہ کہاں سے لاؤں؟‘‘

’’ہمت سے کام لو گی اور خدا پر بھروسہ رکھو گی تو ہر مشکل ٹل جائے گی......‘‘

’’اگر تم میں وہ سب سننے کا حوصلہ ہے تو سنو‘ میں تمہیں اپنا وہ دکھ بتاتی ہوں جو کینسر کی طرح مجھے اندر ہی اندر کھائے جا رہا ہے۔‘‘ زارا نے نظریں زمین میں گاڑ رکھی تھیں اور اسے اپنی کہانی بیان کرنے لگی تھی۔

......☆☆☆......

اس سے میری پہلی ملاقات اسی آفس میں ہوئی تھی‘ مجھے نہیں معلوم تھا کہ کوئی باس سے ملنے ان کے کمرے میں آیا بیٹھا تھا‘ میں ایک ضروری فائل لے کر باس کے پاس گئی تھی‘ میں کمرے میں داخل ہوئی تو باس واش روم میں تھے ان کی سیٹ کے سامنے والی کرسی پر ایک جاذب نظر کلین شیو نوجوان‘ بلیو جینز پر لائٹ بلیو چیک دار شرٹ پہنے بیٹھا تھا‘ میں نے ایک سرسری سی نظر اس پر ڈالی تھی اور فائل باس کے ٹیبل پر رکھ کر واپس مڑ گئی تھی۔

’’آپ اسی آفس میں کام کرتی ہیں؟‘‘ یہ آواز میرے کانوں میں پڑی تو میرے باہر کی طرف بڑھتے ہوئے قدم وہیں رک گئے تھے‘ میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ نوجوان میری ہی طرف دیکھ رہا تھا۔

’’آپ نے مجھ سے کچھ کہا؟‘‘ میں نے وہیں کھڑے اس نوجوان سے حیران ہو کر دریافت کیا تھا۔

’’دراصل میں یہاں پہلے بھی کئی بار آچکا ہوں...... مگر میں نے آپ کو یہاں پہلے کبھی نہیں دیکھا...... اس لیے پوچھ رہا تھا۔‘‘ نوجوان نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے انتہائی اعتماد سے بات کی تھی۔

’’میں یہاں کئی سالوں سے ہوں۔‘‘ مجھے اس بات کی فکر تھی کہ اگر باس واش روم سے نکل آئے اور مجھے اس نوجوان کے ساتھ باتیں کرتے دیکھ لیا تو بلاوجہ خفا ہوں گے‘ اس لیے میں اتنا کہہ کر چل پڑی تھی‘ مگر ایسا لگتا تھا جیسے اس نوجوان نے ساری باتیں اسی روز کرنے کا ارادہ کر رکھا تھا۔

’’پھر میں نے آج تک آپ کو کیوں نہیں دیکھا؟‘‘ نوجوان نے پھر سے اپنا سوال دہرایا۔

’’یہ محض اتفاق ہے کہ یہاں آتے جاتے آج سے پہلے مجھ پر نظر نہیں پڑی ہوگی۔‘‘ میں نے جان چھڑانے کے لیے بات کی‘ مگر لگتا تھا میرے جواب سے ابھی تک اس کے دل کو تسلی نہیں ہوئی تھی۔

’’مجھے جنید کہتے ہیں...... اور آپ کے باس میرے انکل ہیں۔‘‘ عجیب چپکو قسم کا نوجوان تھا‘ میں کسی طرح وہاں سے نکل جانا چاہتی تھی اور وہ اپنا تعارف کروانے میں لگ گیا تھا۔

’’بہت خوشی ہوئی آپ کے بارے میں جان کر...... اللہ حافظ۔‘‘ میں نے تیزی سے اپنی بات مکمل کی تھی اور اس کی اگلی بات شروع ہونے سے پہلے ہی وہاں سے کھسک آئی تھی۔

اسی شام چھٹی کے بعد میں آفس سے نکلی تو‘ جنید مجھے گیٹ پر دکھائی دیا تھا‘ میں اس سے نظر بچا کر وہاں سے نکل جانا چاہتی تھی‘ مگر اس سے پہلے کہ میں وہاں سے نکل پاتی‘ اس کی نظر مجھ پر پڑ گئی تھی‘ مجھے دیکھتے ہی وہ تیزی سے میری طرف آیا تھا اور آتے ہی بلاجھجک اپنی گاڑی میں لفٹ کی آفر کر دی تھی۔

’’میں چلی جاؤں گی۔‘‘ میں نے دوٹوک لہجے میں بات کی تھی۔
’’مگر مجھے آپ کو لفٹ دے کر خوشی ہوگی۔‘‘ جنید نے چہرے پر مسکراہٹ سجا کر کہا تھا۔
میں حیران تھی کہ میرے لہجے کی تلخی دیکھ کر بھی وہ ٹس سے مس نہیں ہوا تھا اور مسلسل بضد تھا کہ اس کی آفر قبول کر لینے میں کوئی حرج نہیں، اسی دوران میں نے باس کی گاڑی گیٹ کی طرف آتے دیکھی تھی، باس کی گاڑی دیکھ کر میں نے وہاں سے جلدی سے نکل جانے کا پروگرام بنالیا تھا، ابھی میں اپنے پروگرام کو عملی جامہ بھی نہ پہنا پائی تھی کہ باس کی گاڑی ہمارے بالکل قریب پہنچ گئی تھی۔
’’کیا بات ہے بھئی...... تم یہاں کیوں کھڑی ہو، ابھی تک گئی کیوں نہیں؟‘‘ باس نے میرے قریب گاڑی کھڑی کر کے اس کا شیشہ نیچے کرتے ہوئے دریافت کیا۔
’’سر...... میں تو...... جانا چاہ رہی ہوں...... لیکن...... جنید صاحب مجھے اپنی گاڑی میں لفٹ دینے کے لیے بضد ہیں۔‘‘ میں نے بمشکل صورت حال بیان کی تھی۔
’’یہ بڑی اڑیل چیز ہے۔‘‘ باس نے جنید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھ سے کہا تھا، پھر مجھے دیکھتے ہوئے بولے ’’بہتر یہی ہے تم اس کی بات مان لو۔‘‘
’’اب تو آپ کے باس نے بھی اجازت دے دی ہے...... اور آپ مجھ پر بھروسہ رکھیں، میں آپ کو بخیریت آپ کی منزل تک چھوڑ آؤں گا۔‘‘
پھر یوں ہوا کہ میں باس کا حکم جان کر خاموشی سے جنید کی گاڑی میں بیٹھ گئی، میں جب تک جنید کی گاڑی میں بیٹھ نہیں گئی تھی، باس بھی وہیں رکے رہے تھے، میں باس کی وجہ سے جنید کے ساتھ مجبوراً گاڑی میں بیٹھ گئی تھی، مگر میں نے بیٹھتے ہی طے کرلیا تھا کہ تھوڑی ہی دور جا کر کسی بس سٹاپ پر اتر جاؤں گی، ورنہ وہ سارے راستے اپنی بے تکی باتوں سے بور کرتا رہے گا، سفر شروع ہوا تو تھوڑی ہی دیر میں مجھے اس کے بارے میں اپنی رائے تبدیل کرنا پڑی، وہ انتہا کا شوخ و شریر تھا، مگر اس کی باتوں میں اس قدر نفاست تھی کہ میں تھوڑی ہی دیر میں اس کی گرویدہ ہوگئی تھی، اس کی باتوں میں ہی نہیں اس کی آنکھوں میں بھی جادو بھرا ہوا تھا، وہ سر سے پاؤں تک مکمل جادوگر تھا، میرے کہنے پر اس نے مجھے گھر کے قریب ہی اتار دیا تھا، مگر آفس سے گھر تک کے اس چھوٹے سے سفر میں ہی، میں اس کے سحر میں پوری طرح گرفتار ہو چکی تھی۔
میں حیران تھی کہ میں پہلی ہی ملاقات میں اسے پسند کرنے لگی تھی اور یہی پسندیدگی میں نے اس کی نظروں میں بھی دیکھی تھی، یوں محبت کی یہ ابتدا یکطرفہ نہیں تھی، گو کہ لب ابھی خاموش تھے، مگر آنکھوں کی زبانی ایک دوسرے کو پیغام محبت دے چکے تھے، پھر ملاقاتوں کا سلسلہ چل نکلا، ہم آفس کے بعد ہر روز ملتے اور ڈھیر ساری باتیں کرتے، باتوں باتوں میں کبھی کسی خواہش کا اظہار کر بیٹھتی تو جب تک وہ خواہش پوری نہ ہو جاتی، اسے چین نہیں آتا تھا، میں چند دن میں ہی جان گئی تھی کہ اسے میری چھوٹی چھوٹی خوشیاں کس قدر عزیز تھیں۔
کوئی دن ایسا نہیں گزرتا تھا، جب وہ مجھے کسی نہ کسی ہوٹل میں بوفے لنچ، ڈنر یا ہائی ٹی کے لیے نہ لے جاتا، کبھی پیزا کھلاتا، کبھی کسی آئس کریم پارلر سے میرے پسندیدہ فلیور کی آئس کریم کھلا کر خوش ہوتا، وہ آئے روز مجھے ڈھیر ساری شاپنگ کرواتا، مجھے بہت سے تحائف دیتا، اس کا بس نہیں چلتا تھا، ورنہ وہ دنیا کی ہر نعمت، ہر خوشی میرے قدموں میں لا کر ڈھیر کر دیتا، اس میں ہر وہ خوبی موجود تھی، جو کسی بھی لڑکی کا خواب ہوا کرتی ہے، میں خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی سمجھنے لگی تھی، جس کی زندگی میں ایسا مرد داخل ہو رہا تھا، جو اس کے احساسات اور جذبات کو سمجھتا تھا۔
اسی کے کہنے پر میری تنخواہ میں اضافہ کیا گیا تھا، میں اس روز بہت خوش تھی مگر اس وقت یہ سمجھ نہیں پائی تھی کہ مجھے شکار کرنے کے لیے تنخواہ میں اضافے کا دانہ پھینکا گیا تھا، جسے میں نے بخوشی چگ بھی لیا تھا۔

☸

وہ جب بھی ملتا‘ اس کے چہرے پر مسکراہٹ سجی ہوتی تھی‘ مگر اس روز اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمایاں تھے‘ اس کی حالت دیکھ کر میں بھی پریشان ہوگئی تھی۔

’’آپ اس قدر پریشان کیوں دکھائی دے رہے ہیں۔ سب خیر تو ہے ناں؟‘‘ اس کا پریشان چہرہ دیکھ کر میں نے سوال کیا تھا۔

’’خیریت ہی تو نہیں ہے۔‘‘ اس نے کمزور سی آواز میں کہا تھا۔

’’ہوا کیا ہے؟‘‘ میری پریشانی ابھی تک برقرار تھی۔

’’لگتا ہے ہمارے پیار کو کسی کی نظر لگ گئی۔‘‘

’’جنید! خدا کے لیے مجھ سے پہیلیاں مت بجھواؤ۔‘‘

’’انہیں دیکھ لو۔‘‘ جنید نے ہاتھ میں پکڑا ہوا لفافہ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا تھا۔

میں نے جلدی سے لفافہ کھول کر دیکھا تو اس میں بہت سی تصویریں تھیں‘ پہلی ہی تصویر پر میری نظر پڑی تو میں کانپ کر رہ گئی ہر تصویر کے ساتھ میری کپکپی میں اضافہ ہوتا جاتا تھا‘ میں نے ابھی چند تصاویر ہی دیکھی تھیں کہ میری ہمت جواب دے گئی‘ ان تصاویر میں میرے جسم کے بہت سے حصے دکھائی دے رہے تھے‘ میں تصویریں دیکھتے ہی جان گئی تھی کہ وہ سب اس وقت لی گئی تھیں‘ جب میں کسی ٹرائی روم میں ڈریس خریدنے سے پہلے انہیں پہن کر چیک کرنے گئی تھی‘ مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں رہا تھا کہ میں تمام تصاویر دیکھ پاتی‘ میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا‘ ہر چیز گھومتی ہوئی محسوس ہونے لگی تھی اور آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے‘ ایک ہی جھٹکے میں سب خواب چکنا چور ہوتے دکھائی دینے لگے تھے‘ قریب تھا کہ میں چکرا کر وہیں گر پڑتی‘ جنید نے جلدی سے آگے بڑھ کر مجھے سنبھال لیا تھا۔

’’یہ سب کیا ہے؟‘‘ میں نے تمام تصاویر لفافے میں ڈال کر جنید کی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا تھا۔

’’یہی بات تو مجھے پریشان کر رہی ہے کہ یہ سب کیسے ہوگیا اور اس سے بھی بڑھ کر پریشانی کی بات یہ ہے کہ ان تصویروں کی آڑ میں وہ ہمیں بلیک میل کرنے کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔‘‘ اس نے ایک لمبی سانس کھینچ کر چھوڑتے ہوئے کہا تھا۔

’’ہمیں بوتیک کے مالکان سے بات کرنی چاہئے‘ انہوں نے یہ تصویریں کھینچ کیسے لیں؟‘‘

’’کس کس کے پاس جائیں گے؟‘‘

’’لیکن اب کیا ہوگا؟‘‘

’’یہی سوچ کر تو میں رات بھر سو نہیں پایا ہوں۔‘‘

’’وہ کہتے کیا ہیں؟‘‘ میں نے ڈرتے ڈرتے سوال کیا تھا۔

’’وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں۔ میں وہ سوچ کر بھی کانپ اٹھتا ہوں۔‘‘

’’کچھ پتہ تو چلے۔‘‘

’’وہ تصویروں کے بدلے میں آپ کی زندگی کے کچھ پل مانگ رہے ہیں۔‘‘

’’یہ کیسے ممکن ہے؟‘‘

’’میں سمجھ سکتا ہوں‘ ایک باعزت لڑکی کے لیے یہ کسی بھی صورت ممکن نہیں۔ مگر خود کو رسوائی سے بچانے کے لیے ان کی بات مان لینے کے سوا کوئی چارہ بھی تو نہیں۔‘‘

’’آپ ہوش میں تو ہیں‘ جانتے ہیں کیا کہہ رہے ہیں؟‘‘

’’بات روپے پیسے کی ہوتی تو میں آپ کی خاطر اپنا سب کچھ لٹا ڈالتا اور اُف تک نہ کرتا‘ لیکن یہاں تو معاملہ ہی اور ہے۔ مگر پھر بھی میں تمہیں اس بات کا یقین دلاتا ہوں کہ یہ سب کچھ ہو جانے کے بعد بھی میرے دل میں آپ کے لیے جو پیار اور احترام ہے اس میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔‘‘ جنید نے اپنی بات مکمل کرنے کے بعد گردن جھکا دی تھی۔

ہم دونوں ہی خاموش بیٹھے تھے‘ پیار مجھ سے بہت بڑی قربانی مانگ رہا تھا‘ میں کسی صورت جنید کو کھونا نہیں چاہتی تھی‘ اس لیے اپنی زندگی کا مشکل ترین فیصلہ بھی جنید کا حکم جان کر قبول کر لیا تھا اور میں نے اپنی محبت پانے کے لیے گردن جھکا دی تھی۔ جس شخص کے پاس مجھے بھیجا گیا

تھا'اس نے اپنی ہوس کی آگ بجھانے کے بعد کچھ نوٹ میرے پرس میں ڈال دیے تھے' میں کمرے سے باہر نکلی تو میرے پرس میں پڑے ہوئے نوٹوں کی حدت مجھے جلا رہی تھی' میرا بیگ میرے کندھے سے لٹک رہا تھا' مجھے ڈر تھا کہ کسی بھی لمحے ان نوٹوں کو آگ پکڑ لے گی' جو میرے بدن کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی' میں نے جلدی سے نوٹ بیگ سے نکالے اور اپنے ہاتھوں سے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہوا میں اچھال دیے' جیسے جیسے ہوا ان نوٹوں کے ٹکڑوں کو اڑا کر مجھ سے دور لے جا رہی تھی' میرا بدن برف کی مانند ٹھنڈا ہوتا جا رہا تھا' مجھے خود سے ہی گھن آنے لگی تھی' یوں محسوس ہو رہا تھا' جیسے میں جہاں جہاں سے گزرتی تھی' وہیں تعفن پھیلتا جا رہا تھا۔

جنید کا پیار پانے کے لیے میں تمام حدیں پار کر گئی تھی' میں نے بلا سوچے سمجھے عشق کے جنون میں گرفتار ہو کر اپنی عصمت بھی داؤ پر لگا بیٹھی تھی' لیکن میں اس بات پر حیران تھی کہ لوگ عزت کی خاطر اپنی زندگی تک داؤ پر لگا دیتے ہیں' جبکہ جنید نے مجھے خود ان بھیڑیوں کے حوالے کر دیا تھا' مگر اتنا کچھ ہو جانے کے باوجود میں یہ سوچ کر مطمئن تھی کہ اب مجھے جنید سے دنیا کی کوئی طاقت جدا نہیں کر پائے گی۔

اگلے روز جنید ملا تو اس کے لبوں پر ایک نئی کہانی تھی'اس کا کہنا تھا کہ جب وہ اس شخص کے پاس گئی تھی تو بلیک میل کرنے والوں نے ان لمحوں کو کیمرے میں قید کر لیا تھا' اپنی بات کی تصدیق کے طور پر اس نے ایک لفافہ میرے ہاتھ میں تھما دیا تھا' اس لفافے میں میری انتہائی قابل اعتراض تصاویر تھیں' تصویریں دیکھ کر میں رونے لگی تھی' روتے ہوئے میری نگاہ جنید کے چہرے پر پڑی تھی' جہاں مجھے کسی قسم کی پریشانی یا دکھ کے کوئی آثار دکھائی نہیں دیے تھے۔

''لگتا ہے ہم کچھ غلط لوگوں کے ہاتھ لگ گئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر ان کی بات نہ مانی گئی تو وہ یہ تصویریں نہ صرف آپ کے گھر بلکہ محلے کے ہر گھر میں پہنچا دیں گے۔'' جنید نے بآسانی اتنی بڑی بات کہہ ڈالی تھی۔

میں جنید کی بات سن کر الجھ کر رہ گئی تھی' میں نے جس مصیبت سے پیچھا چھڑانے کے لیے جنید کے کہنے پر اتنا کچھ کیا تھا' وہ پہلے سے بھی بڑا مصیبتوں کا پہاڑ بن کر میرے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی' میں اس بات پر حیران تھی کہ وہ کس قسم کا مرد ہے' ان لوگوں کا سامنا کرنے کی بجائے مجھے بھی گھٹنے ٹیکنے کا مشورہ دے رہا تھا' لیکن اب میں کسی بھی طرح اس کی بات ماننے کے لیے تیار نہیں تھی' میرے انکار پر وہ منت سماجت پر اتر آیا تھا۔

''زارا مجھ میں اتنی ہمت نہیں کہ میں ان لوگوں سے پنگا لے سکوں' سمجھداری اسی میں ہے کہ ان کی بات مان لی جائے۔'' جنید نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا تھا۔

''مگر میں کب تک یوں لٹتی رہوں گی اور اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ پھر وہ ہمارا پیچھا چھوڑ دیں گے۔'' میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

''پلیز ایک بار'صرف ایک بار' میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس کے بعد کسی کو بھی اتنی جرأت نہیں ہوگی کہ وہ میلی آنکھ سے بھی آپ کی طرف دیکھ سکے۔''

میں جنید کے جڑے ہوئے ہاتھ دیکھ کر عجیب کشمکش کا شکار ہو گئی تھی' خدا نے مجھے کس امتحان میں ڈال دیا تھا' میں اس مقام پر آ کھڑی ہوئی تھی' جہاں سے فرار کی بھی کوئی راہ دکھائی نہیں دے رہی تھی' اس لیے ایک بار پھر بزدلوں کی طرح ہتھیار ڈال دیے تھے۔

میں سمجھ رہی تھی کہ اتنا کچھ لٹا دینے کے بعد' میں جنید کا پیار پانے میں کامیاب ہو جاؤں گی' مگر پیار تو ایک طرف' میں اس کی شکل تک دیکھنے کو ترس گئی تھی' اب وہ مجھ سے فون پر بات کرنے سے بھی کترانے لگا تھا' پہلے پہل تو میں اسے فون کرتی تو وہ اٹینڈ نہیں کیا کرتا تھا' پھر کچھ روز بعد اس نے اپنا نمبر ہی بدل لیا تھا' میں نے کئی بار چاہا کہ جنید کے بارے میں باس سے بات کروں' مگر ایسا کرنے کا بھی مجھ میں حوصلہ نہیں تھا' جنید نے پہلی بار باس کو اپنا انکل کہہ کر متعارف کروایا تھا' مگر حقیقت یہ تھی کہ جس روز میری اس سے پہلی ملاقات ہوئی تھی' میں نے اس روز اسے پہلی اور آخری بار آفس میں باس کے پاس دیکھا تھا۔

وہ مجھے طوفانوں کے حوالے کر کے خود کہیں غائب ہو گیا تھا' میں ایسے کیچڑ میں گر گئی تھی' جہاں سے جس قدر نکلنے کی کوشش کرتی تھی' اتنا ہی کسی گہری دلدل میں دھنستی چلی جاتی تھی' میں روز جینے' روز مرنے لگی تھی' میں جان گئی تھی کہ میں جسے پیار سمجھتی تھی' وہ محض دھوکا' فریب اور ڈھونگ تھا' عشق کے لبادے میں لپٹا ہوا ایک ایسا سنہرا جال تھا' جس میں قید ہونے کے لیے میں بخوشی تیار ہو گئی تھی' لیکن یہ اس جال کی خوب صورتی کا کمال تھا کہ میری جگہ کوئی انتہائی مضبوط کردار کی لڑکی بھی ہوتی تو شاید وہ بھی خود کو اس جال میں قید ہونے سے بچا نہ پاتی۔

مجھے اس خوب صورتی سے سونے کے پنجرے میں قید کیا گیا تھا کہ مجھے کچھ اور دکھائی دینا ہی بند ہو گیا تھا' یوں لگتا تھا' جیسے دولت کی چکا چوند

نے مجھے اندھا کر ڈالا تھا' میرا جرم صرف اتنا تھا کہ میں غریب گھرانے کی ایک عام سی لڑکی ہو کر بڑے گھر کی بہو بننے کے خواب دیکھنے لگی تھی' لیکن میرا جرم اتنا بڑا نہیں تھا' جتنی بڑی سزا مجھے مل رہی تھی۔

محبت میرے لیے گالی بن کر رہ گئی تھی' پیار' محبت' عشق مجھے ڈھکوسلا لگنے لگے تھے' مجھے محبت کے نام سے ہی نفرت ہو گئی تھی' اس دن کا سوچ کر ہی میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے' جب میں اس کے بچھائے ہوئے چالبازیوں اور مکر و فریب کے جال کو محبت سمجھ کر اس میں پھنس گئی تھی۔ اب وقت نے مجھے ایسے دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے' جہاں سے واپسی کے راستے تو بند تھے ہی' آگے بڑھنا بھی ممکن نہیں رہا۔

......☆☆☆......

زارا نے اپنی بات مکمل کی تو اس کے ساتھ ساتھ فریال کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ رہے تھے' فریال نے کسی نہ کسی طرح اپنے آنسوؤں پر قابو پا لیا تھا' مگر زارا کو جان بوجھ کر رونے سے نہیں روکا تھا تا کہ کسی طرح اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔

''حوصلہ کرو۔ اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' فریال نے زارا کا سر اپنے سینے پر رکھ کر اس کی کمر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے تسلی دی۔

''میرا دل چاہتا ہے۔ میں کسی گاڑی کے نیچے آ کر اپنی جان دے دوں' مگر والدین اور بہن بھائیوں کی بدنامی کا خوف میرے ارادوں کو کمزور کر ڈالتا ہے' میں جس کرب سے گزر رہی ہوں' وہ صرف میں جانتی ہوں یا میرا خدا' فریال! میری بے بسی تو دیکھو کہ میں دل کی بات زبان پر بھی نہیں لا سکتی' اس لیے اندر ہی اندر گھلتی رہتی ہوں۔'' بات کرتے ہوئے زارا پھر سے رونے لگی تھی۔

''ایسا سوچنا بھی مت۔ خودکشی کی اجازت ہمارا مذہب دیتا ہے اور نہ سماج' اور پھر تم کیا سمجھتی ہو تمہارے خودکشی کر لینے سے تمام مسائل حل ہو جائیں گے؟''

''میں کروں تو کیا کروں۔ اگر اس دلدل سے نکلنے کی کوشش کرتی ہوں تو وہ لوگ مجھے اس قدر بدنام کر ڈالیں گے کہ میرا گھر سے نکلنا مشکل ہو جائے گا اور جینا دوبھر' لوگ مجھے طعنے دے دے کر ہی مار ڈالیں گے۔ میرے لیے تو دونوں صورتوں میں ہی موت ہے۔''

''تم ہمت سے کام لو۔ میں بھی سوچتی ہوں اور تم بھی سوچو کہ اس مشکل سے کیسے چھٹکارا پایا جا سکتا ہے' لیکن مجھے اس بات کا ہمیشہ افسوس رہے گا کہ تم اس قدر بیوقوف نکلی...... محض ایک لڑکے کو اپنانے کی غرض سے' تم کتنی آسانی سے اپنی عزت داؤ پر لگانے کے لیے تیار ہو گئی۔'' فریال نے زارا کو سمجھانے کی غرض سے قدرے تلخ لہجے میں بات کی تھی' زارا' فریال کی بات کا کوئی جواب نہیں دے پائی تھی' مگر اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہنے لگے تھے۔

فریال کے حوصلہ دینے اور ہمت بڑھانے سے' نہ صرف زارا کے دل کا بوجھ قدرے ہلکا ہو گیا تھا بلکہ ایک ہمدرد دوست کی گود میں سر رکھ کر رو لینے سے اس کی طبیعت بھی کچھ بحال ہو گئی تھی' لیکن زارا کی باتوں نے فریال کو تڑپا کر رکھ دیا تھا' وہ گھر پہنچی تو پریشان تھی' زارا کی پریشانی کا سوچ کر اس سے رات کا کھانا بھی ٹھیک سے نہیں کھایا گیا تھا' وہ عام دنوں کی نسبت بیڈ پر بھی جلدی ہی جا لیٹی تھی' وہ رات بھر زارا کے معاملے پر غور کرتی رہی' اسی لیے ٹھیک سے سو نہیں پائی تھی۔

وہ آفس پہنچی تو ابھی زارا نہیں آئی تھی' وہ کچھ دیر تک اس کا انتظار کرتی رہی' وہ جانتی تھی کہ زارا آفس سے چھٹی کم ہی کرتی تھی اور اگر کسی وجہ سے اسے چھٹی کرنا ہوتی تھی تو وہ فریال کو ضرور بتا دیا کرتی تھی' جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا' فریال کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی' اپنی پریشانی کم کرنے کے لیے اس نے اپنے موبائل سے زارا کا نمبر ملایا تھا' مگر اس کا موبائل آف جا رہا تھا' تھوڑے تھوڑے وقفے سے اس نے کئی بار زارا کا نمبر ملانے کی کوشش کی تھی مگر بار بار موبائل آف کا پیغام سننے کو مل رہا تھا۔

زارا کے آفس نہ آنے اور موبائل آف ہونے پر فریال کے دل میں طرح طرح کے وسوسے جنم لینے لگے تھے' اس کے دل سے جو سب سے پہلا سوال اٹھا تھا' وہ یہی تھا کہ کہیں اس نے اپنی سوچوں کو عملی جامہ تو نہیں پہنا دیا تھا' اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ فوراً سے پہلے زارا کے پاس جا کر اصل حالات معلوم کرے' تا کہ اس کی بے چینی کو قرار آ جائے' مگر وہ ایسا کر کے ان کے گھر والوں کی پریشانی میں اضافہ نہیں کرنا چاہتی تھی' اس لیے اب اسے فریال کی طرف سے کسی پیغام کا بے صبری سے انتظار تھا' وہ آفس کے کسی بھی فون کی گھنٹی بجنے پر چونک اٹھتی تھی اور اس کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو جاتی تھیں' اسی کیفیت میں صبح سے شام ہو گئی تھی مگر زارا کی کوئی خبر نہیں ملی تھی۔

فریال جانتی تھی کہ اگر وہ زارا کے متعلق صحیح صورت حال جانے بغیر گھر چلی گئی تو رات بھر بے چین رہے گی' بے چینی سے بچنے کا واحد حل یہی تھا کہ زارا کے گھر جایا جائے' وہ اس سے قبل بھی کئی بار اس کے گھر جا چکی تھی' اس لیے اسے گھر ڈھونڈنے میں کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا

پڑا تھا' آفس سے نکل کر وہ با آسانی زارا کے ہاں جا پہنچی تھی اور دھڑکتے دل کے ساتھ ڈور بیل پر ہاتھ رکھ دیا تھا' تھوڑی ہی دیر بعد دروازہ کھل گیا تھا' دروازہ زارا کی ماں نے کھولا تھا' اس کے چہرے پر بھی پریشانی کے آثار صاف دکھائی دے رہے تھے۔

''السلام علیکم آنٹی!'' فریال نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے اندر آنے کو کہا۔

''آنٹی! زارا کہاں ہے؟'' فریال نے دھڑکتے دل کے ساتھ زارا کے بارے میں دریافت کیا اور سوچنے لگی کہ نہ جانے اگلے ہی لمحے اسے زارا کے متعلق کیا سننے کو مل جائے۔

''وہ اپنے کمرے میں ہے' نہ جانے اس نے اپنے دل میں کون سے روگ پال لیے ہیں' ہر وقت چپ چپ رہنے لگی ہے۔ ہمیں تو کچھ بتاتی نہیں' تم اس کی دوست ہو' تم پوچھ کر دیکھ لو شاید وہ تمہیں کچھ بتا دے۔'' زارا کی ماں نے فریال کو بتایا تھا' بات کرتے ہوئے اس کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں' مگر فریال کو یہ جان کر قدرے اطمینان نصیب ہوا تھا کہ اس نے ایسا کچھ نہیں کیا تھا' جس کے بارے میں سوچ کر ہی وہ پریشان ہو گئی تھی۔

فریال' زارا کے کمرے میں پہنچی تو وہ چارپائی پر اوندھے منہ لیٹی تھی' قدموں کی آہٹ پر اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تھا' اس کی نظر فریال پر پڑی تو وہ اٹھ بیٹھی تھی' رونے سے کر اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں اور چہرے پر مردنی چھائی ہوئی تھی' ایسا دکھائی دے رہا تھا' جیسے وہ برسوں کی مریض ہو۔

''یہ تم نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے؟'' فریال نے زارا کے پاس ہی بیٹھتے ہوئے بات کی تھی۔

''کیوں کیا ہوا ہے مجھے؟' اچھی بھلی تو ہوں۔'' زارا نے فریال کی تسلی کے لیے چہرے پر جھوٹی مسکراہٹ سجا کر کہا تھا۔

''وہ تو تمہاری شکل سے ہی لگ رہا ہے کہ تم کتنی زیادہ اچھی ہو' اسی لیے تو آنٹی بھی اس قدر پریشان ہیں کہ ان کی آنکھوں میں تمہاری وجہ سے آنسو بھرے ہوئے ہیں۔''

''تمہاری قسم! مجھے کچھ نہیں ہوا بس ہلکا سا بخار تھا اور رات بھر جاگتے رہنے کی وجہ سے صبح وقت پر آنکھ نہ کھلی' اس لیے آفس نہ آسکی اور میرے آفس نہ آنے پر تم پریشان ہو گئی ہو گی۔''

''شکر ہے تمہیں کچھ نہیں ہوا ورنہ تم نے تو میری جان ہی نکال دی تھی۔''

''فریال! کچھ فیصلے کتنے مشکل ہوتے ہیں۔''

''کیا مطلب؟''

''اچھا چھوڑو تم ان باتوں کو میں تمہیں وہ تصویریں دکھاتی ہوں' جن کی وجہ سے میری زندگی جہنم بن کر رہ گئی ہے اور میں ان لوگوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر رہ گئی ہوں۔'' زارا نے اِدھر اُدھر دیکھ کر رازدارانہ انداز میں بات کی تھی اور پھر خاموشی سے اٹھ کر الماری سے ایک لفافہ لا کر اس کے ہاتھ میں تھما دیا تھا۔

فریال ایک ایک کر کے وہ تصویریں دیکھنے لگی تھی' جیسے جیسے وہ تصویریں دیکھتی جاتی تھی' ویسے ویسے خوف سے اس کی آنکھیں پھیلتی جاتی تھیں' تصویریں دیکھ کر فریال غصے سے کانپنے لگی تھی اور اس نے سبھی تصویریں پھاڑ ڈالیں۔

''ان تصویروں پر غصہ نکالنے سے کچھ حاصل نہیں ہونے والا' ان جیسی نہ جانے کتنی ہی تصویریں ان کے پاس موجود ہیں' میں کسی روز تمہیں اس شخص کی تصویر بھی دکھاؤں گی' جو میری تباہی کا باعث بنا۔''

''وہ بھی...... ابھی دکھا دو۔'' فریال نے بات تو کر دی تھی' مگر وہ چاہتی نہیں تھی کہ زارا وہ تصویر اسے دکھائے' کیونکہ اس کے دل میں کچھ خوف پلنے لگے تھے۔

''میں دکھا تو دیتی' مگر وہ تصویر میں نے امی کے کمرے میں چھپا رکھی ہے' ابھی وہاں سے نکالنے گئی تو انہیں شک ہو جائے گا۔''

''چلو ٹھیک ہے پھر کسی دن سہی' اب میں چلتی ہوں' دانش انتظار کر رہے ہوں گے۔'' فریال نے بات کی اور اٹھ کھڑی ہوئی' اس کے اٹھتے ہی زارا نے بھی چارپائی چھوڑ دی تھی اور فریال کو گلے لگا کر رو پڑی تھی' فریال کی آنکھوں سے بھی آنسو نکل پڑے تھے' وہ دونوں ہی ایک دوسرے کے گلے لگیں' کافی دیر تک اسی حالت میں کھڑی رہیں' پھر آنکھوں میں آنسو لیے' بوجھل دل کے ساتھ فریال وہاں سے نکل گئی۔

فریال اور زارا کی دوستی اس وقت سے تھی' جب انہوں نے جوانی میں قدم بھی نہیں رکھے تھے' کالج اور یونیورسٹی میں بھی وہ دونوں ایک

ساتھ تھیں‘ فریال کے والدین نے یونیورسٹی سے فارغ ہوتے ہی‘ اسے شادی کے بندھن میں باندھ دیا تھا اور وہ دو بچوں کی ماں بھی بن چکی تھی‘ جبکہ زارا کی ابھی تک کہیں منگنی بھی طے نہیں پائی تھی‘ جو دوستی اسکول سے شروع ہوئی تھی‘ وہ اب بھی ویسے ہی تھی‘ اسی لیے زارا کی حالت دیکھ کر فریال گھر پہنچ کر تکیے میں منہ دے کر بہت روئی تھی اور اس نے نماز کے بعد زارا کے لیے رو رو کر خدا کے حضور دعائیں کی تھیں۔

اگلے روز‘ زارا پھر سے آفس نہیں آئی تھی مگر تھوڑی ہی دیر بعد اس کی موت کی خبر آ گئی تھی‘ وہ اپنے کمرے کے پنکھے سے جھول گئی تھی‘ خبر ملتے ہی فریال کی چیخیں نکل گئی تھیں اور وہ پاگلوں کی طرح روتی ہوئی زارا کے ہاں جا پہنچی تھی۔

.......☆☆☆.......

زارا نے رسوائی کے خوف سے موت کو گلے لگا کر اپنی دانست میں انتہائی درست فیصلہ کیا تھا‘ لیکن وہ اپنے پیچھے بہت سے سوال چھوڑ گئی تھی‘ جن کا جواب اس کے والدین کے پاس بھی نہیں تھا‘ کسی بھی محلے دار‘ عزیز یا رشتے دار کا سوال سن کر شرمندگی سے ان کی گردن جھک جاتی تھی‘ مگر سوائے خاموشی کے وہ کچھ کہہ نہیں پاتے تھے‘ فریال کو اس بات کا احساس تو زارا کا جنازہ اٹھنے سے بھی بہت پہلے ہو گیا تھا کہ زارا کے متعلق بہت سی باتیں کسی نہ کسی طرح لوگوں کے کانوں میں پڑ چکی تھیں‘ مگر وہ پھر بھی کریدنے میں لگے ہوئے تھے۔

جان سے بھی پیاری دوست کی موت نے فریال کو بھی ہلا کر رکھ دیا تھا‘ زارا کی خودکشی سے اس کا لوگوں پر اعتبار ہی اٹھ گیا تھا‘ وہ اپنے اور کاشف کے تعلق کو بھی اسی پلڑے میں تولنے لگی تھی‘ وہ سوچنے لگتی کہ کہیں کاشف بھی اس کے ساتھ وہی کھیل تو نہیں کھیلنے والا‘ جو جنید نے زارا کے ساتھ کھیلا تھا‘ اس کے ایسا سوچنے پر دل کے کسی کونے سے آواز اٹھتی تھی ”کاشف ایسا نہیں ہو سکتا۔“

زارا کی موت کو ایک ہفتہ ہو چکا تھا‘ باس نے اس دوران کئی لڑکیوں کے انٹرویو لیے تھے‘ مگر باس کو ان میں سے کوئی کام کی لڑکی نہیں ملی تھی‘ فریال دیوانوں کی طرح دن میں کئی بار اس خالی سیٹ کو دیر تک دیکھتی رہتی‘ جس پر اس کی دوست بیٹھا کرتی تھی اور ان دونوں میں دور سے ہی مسکراہٹوں کا تبادلہ بھی ہو جاتا تھا‘ اب جب بھی اس کی نگاہ اس طرف اٹھتی تو خالی کرسی دیکھ کر اس کے دل پر چوٹ لگتی اور درد کی شدت سے اس کی آنکھیں نم ہو جاتیں‘ وہ دونوں مل کر لنچ کیا کرتی تھیں مگر جس روز سے زارا اسے چھوڑ کر گئی تھی‘ اس روز سے اس نے گھر سے لنچ لانا ہی چھوڑ دیا تھا اور اگر کسی روز لے بھی آتی تو اس کا کھانے کو دل نہیں کرتا تھا اور لنچ بکس ایسے کا ایسے ہی گھر واپس آ جاتا تھا۔

اس روز زارا کی جدائی نے اسے بہت رلایا تھا‘ فریال جانتی تھی کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں رہی‘ پھر بھی اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اچانک کسی سمت سے آ نکلے اور اسے گلے لگائے‘ مگر ایسا کہاں ممکن رہا تھا‘ لیکن اس کی اس خواہش نے شدت اختیار کر لی تھی کہ کوئی ایسا ہو‘ جس سے وہ زارا کی باتیں کرے‘ اس کے ساتھ بتائے ہوئے خوشگوار لمحوں کے متعلق گفتگو ہو‘ مگر ایسا کون تھا۔

اسے خود پر قابو نہیں رہا تھا اور وہ اپنی بے قراریوں کا قرار ڈھونڈنے زارا کے گھر کے دروازے پر جا کھڑی ہوئی تھی‘ مگر دروازے پر لگا تالا دیکھ کر الجھ کر رہ گئی تھی‘ وہ کچھ دیر تک وہیں ساکت کھڑی تالے کو دیکھتی رہی‘ پھر کچھ سوچ کر اس نے ساتھ والے ہمسایوں کے گھر کی ڈور بیل پر ہاتھ رکھ دیا تھا‘ دروازہ کسی خاتون نے کھولا تھا‘ جس نے زارا کے اہل خانہ کے بارے میں دریافت کرنے پر جو جواب دیا تھا‘ وہ اسے رلانے کے لیے کافی تھا‘ اس خاتون نے انتہائی رازداری کے انداز میں بتایا تھا۔

”دلوں کے بھید تو اوپر والا ہی جانتا ہے‘ کسی کے چہرے پر تھوڑے ہی لکھا ہوتا ہے‘ مرنے والی بھی دیکھنے میں انتہائی سمجھدار اور بھولی بھالی دکھائی دیتی تھی‘ وہ تو اس کے مرنے کے بعد پتہ چلا کہ اس کے کتنے مردوں کے ساتھ ناجائز تعلقات تھے‘ لیکن ایسی باتیں زیادہ دیر تک کہاں چھپی رہتی ہیں‘ ہر زبان پر اسی کے چرچے تھے‘ وہ خود تو مر گئی مگر اس کے والدین کی زندگی تماشہ بن کر رہ گئی تھی‘ وہ کہنے کو زندہ تھے‘ مگر چلتی پھرتی لاشیں دکھائی دینے لگے تھے‘ وہ لوگوں کے چبھتے ہوئے سوالوں کا جواب کب تک دیتے‘ اس لیے مجبوراً خاموشی سے یہ گھر چھوڑ کر کہیں چلے گئے۔“

فریال اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے زارا کے والدین سے ملنے گئی تھی‘ مگر خاتون کی باتوں نے اس کے دل کو اور بھی زخمی کر ڈالا تھا‘ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ وہیں کھڑی پھوٹ پھوٹ کر روئے‘ مگر وہ ایسا نہیں کر پائی تھی اور کچھ دیر وہیں چپ چاپ کھڑی سوچتی رہنے کے بعد گھر کی طرف چل پڑی تھی۔

.......☆☆☆.......

وہ حسن کے معاملے میں اس قدر مالا مال تھی کہ اس کا حسن پچھلے چھ سال سے خرچ ہو رہا تھا مگر اس کی خوب صورتی میں ذرا سی بھی کمی نہیں

آئی تھی‘ اب بھی اس کی ستارہ آنکھوں کی چمک ویسی کی ویسی تھی‘ اس کے دودھیا رنگ رخساروں میں گلابوں کی سی سرخی اب بھی ویسی ہی تھی‘ مسکراتے ہوئے اس کے موتیوں جیسے دانت اب بھی دل موہ لیتے تھے‘ وہ دو بچوں کی ماں تھی مگر اب بھی کسی شادی بیاہ کے فنکشن میں سج سنور کر جاتی تو بہت سے نوجوان نہ صرف اپنا دل تھام کر رہ جاتے تھے‘ بلکہ اس سے شادی کے بارے میں سوچنے لگتے تھے‘ کئی ایسی خواتین جو اسے پہلی بار دیکھتی تھیں‘ وہ اپنے بیٹوں کے لیے اسے پسند کر لیتیں اور اس کا رشتہ مانگنے کے لیے بے چین ہو کر اشاروں ہی اشاروں میں معلومات حاصل کرنے لگتی تھیں۔

وہ صوم وصلوٰۃ کی پابند تھی‘ اسے اپنے خاوند اور بچوں سے دلی محبت تھی اور خاوند کی خدمت عبادت سمجھ کر کرتی تھی‘ خاندان میں اس کا ذکر ایک مثالی بیوی کی حیثیت سے کیا جاتا تھا‘ دانش بھی اسے دیکھ کر جیتا تھا اور اس کی ایک ایک ادا پر قربان جاتا تھا‘ لیکن نہ جانے کب شک نے فریال کے دل میں گھر کر لیا تھا‘ یہی شک ہی تھا‘ جس سے ان میں آئے روز چھوٹے چھوٹے جھگڑے ہونے لگے تھے‘ انہی اختلافات نے ان کے درمیان دیوار کھڑی کر ڈالی تھی‘ پھر آہستہ آہستہ ایسے حالات پیدا ہوتے چلے گئے کہ وہ خاوند سے دور ہوتی چلی گئی تھی۔

......☆☆☆......

شاہد آتے جاتے کئی بار فریال کو ایک اجنبی نوجوان کے ساتھ گاڑی میں بیٹھے اِدھر اُدھر گھومتے ہوئے دیکھ چکا تھا‘ دانش کے ساتھ اس کی دوستی بہت پرانی تھی‘ اس کے دانش کے ساتھ خاندانی تعلقات تھے اور وہ کئی بار اپنی فیملی کے ہمراہ دانش کے ہاں جا چکا تھا‘ وہ دانش کے سبھی عزیز رشتے داروں کو اچھی طرح جانتا تھا‘ جس نوجوان کو اس نے فریال کے ساتھ کئی بار دیکھا تھا‘ وہ اس کے لیے بالکل اجنبی تھا‘ اس نے ایک عرصے تک خود کو اس بارے میں دانش سے بات کرنے سے روکے رکھا تھا‘ مگر ایسا نہ کر کے اس کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی‘ وہ کسی نہ کسی طرح دانش سے اس بارے میں بات کرنا چاہتا تھا‘ لیکن دانش کی ناراضگی کے ڈر سے ایسا نہیں کر پاتا تھا‘ مگر جب اس کی بے چینی مزید بڑھی تو اس نے دانش سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اس کا موبائل نمبر ڈائل کرنے لگا۔

’’کیسے ہو؟‘‘ فون اٹینڈ کرنے پر شاہد نے کہا۔

’’میں تو ٹھیک ہوں‘ تم اپنی سناؤ‘ آج میری یاد کیسے آ گئی؟‘‘ دانش نے شاہد کی بات سن کر دریافت کیا۔

’’جب سے تم نے بیوی نما شوہر بن کر گھر داری سنبھالی ہے‘ تم بھی تو گھر کے ہی ہو کر رہ گئے ہو۔‘‘

’’یہ سب تمہارا ہی دیا ہوا تحفہ ہے۔‘‘

’’اچھا ان باتوں کو چھوڑو‘ کوئی ملاقات کا پروگرام بناؤ۔‘‘

’’خیر تو ہے‘ میرے بغیر اداس ہو گئے ہو کیا؟‘‘

’’ایسا ہی سمجھ لو۔‘‘

’’تو پھر کسی بھی روز مل لیتے ہیں۔‘‘

’’بیوی گھر سے نکلنے دے گی تو پھر ہے ناں۔‘‘

’’اب ایسی بھی بات نہیں ہے‘ تم جب چاہو مل بیٹھتے ہیں‘ بلکہ میں تو کہتا ہوں تم میری طرف ہی آ جاؤ‘ میں تمہیں اپنے ہاتھ کا پکا ہوا زبردست قسم کا کھانا بھی کھلاؤں گا۔‘‘

’’نہیں بابا نہیں‘ اس معاملے میں تو تم مجھے معاف ہی رکھو یہ بھابی کی ہی ہمت ہے‘ جو تمہارے ہاتھ کا پکا ہوا بدذائقہ کھانا بغیر کسی احتجاج کے کھا لیتی ہیں۔‘‘

’’یہ میری بے عزتی کر رہے ہو کیا؟‘‘

’’ماشاءاللہ کافی سمجھدار ہو۔‘‘

’’اچھا یار‘ تم ہی بتاؤ کہاں ملیں؟‘‘

’’کل اتوار ہے اور بھابی گھر پر ہی ہوں گی اس لیے تمہیں گھر سے نکلنے میں زیادہ دشواری بھی نہیں ہوگی‘ تم میری طرف آ جانا‘ دوپہر کا کھانا بھی ایک ساتھ کھائیں گے اور گپ شپ بھی ہو جائے گی۔‘‘

’’ٹھیک ہے میں آ جاؤں گا۔‘‘

''اوکے پھر اللہ حافظ۔'' شاہد نے بات کی اور موبائل ایک طرف رکھ کر سوچنے لگا کہ فریال اور اس نوجوان کے بارے میں بات کر کے کہیں وہ غلطی تو نہیں کر رہا تھا' وہ جس قدر سوچتا جاتا تھا اسی قدر اس کا ذہن الجھتا جاتا تھا' اس لیے اس نے اپنے اندر سے اٹھنے والے سوالوں کو جھٹک دیا اور اپنے کام میں لگ گیا۔

دن بھر اس نے پھر سے اس بارے میں اپنے ذہن کو الجھنے نہیں دیا تھا' مگر جیسے ہی وہ بستر پر لیٹا' ایک بار پھر انہی سوچوں نے اسے گھیرے میں لے لیا اور وہ بے چینی سے کروٹیں بدلنے لگا تھا' یہ بات اس قدر کانٹا بن کر اس کے دل میں چبھی تھی کہ جس کے درد کی شدت نے رات بھر کسی بھی پل اسے سکون سے آنکھیں بند نہیں کرنے دی تھیں۔

اگلے روز دانش وعدے کے مطابق دوپہر کو شاہد کے ہاں پہنچ گیا تھا' دونوں نے ایک ساتھ لنچ کیا' لنچ کے دوران ان دونوں کے درمیان ہونے والی زیادہ تر گفتگو آفس کے بارے میں ہی تھی' اب وہ ڈائننگ ٹیبل سے اٹھ کر صوفے پر آ بیٹھے تھے' تب تک شاہد بات کرنے کے لیے خود کو تیار کر چکا تھا۔

''بھابی کی جاب کیسی جا رہی ہے؟'' شاہد نے مطلب کی بات کی طرف آنے کے لیے سوال کیا تھا۔

''ٹھیک ہے' بس گھر چل رہا ہے۔''

''لیکن اس طرح کب تک چلے گا؟''

''ہاں' کبھی کبھی میں بھی ایسا ہی سوچنے لگتا ہوں' مگر سچ پوچھو تو وقت کے ساتھ ساتھ میں نے بھی سمجھوتہ کرنا شروع کر دیا ہے کیونکہ اگر میں کچھ بولوں گا تو وہ اسے میری شکست سمجھے گی اور کسی عورت سے ہار ماننے کا حوصلہ مجھ میں نہیں۔''

''دانش! بہت دنوں سے ایک سوال مجھے بے چین کیے ہوئے ہے۔''

''ہاں پوچھو۔''

''دیکھو مجھے غلط مت سمجھنا' تم مجھے بہت عزیز ہو' خدا کرے کہ جس طرح کے سوالات میرے ذہن میں پیدا ہو رہے ہیں' وہ سب جھوٹ ہوں' مگر مجھے اس بات کا بھی خوف ہے کہ اگر ایسا نہ ہوا' جیسا میں سوچ رہا ہوں' تو کہیں ہماری دوستی میں ہی دراڑ نہ پڑ جائے۔''

''جو کچھ بھی کہنا ہے' کہہ ڈالو اور اس بات کا یقین رکھو کہ کسی بھی بات سے ہماری دوستی میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' دانش نے شاہد کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے بات کی تھی۔

دانش کی بات سن کر شاہد نے ایک لمبی سانس لے کر چھوڑی اور آہستہ سے بولا' ''وہ بلیک کلر کی ٹیوٹا کرولا کس کی ہے؟''

''کیا مطلب؟'' شاہد کا سوال سن کر دانش کے پورے بدن میں کرنٹ دوڑ گیا تھا اور اس نے حیران ہو کر وضاحت طلب کی تھی۔

''ہوسکتا ہے' یہ میری غلط فہمی ہو لیکن میں نے بھابی کو ایک نوجوان کے ساتھ اس گاڑی میں آتے جاتے کئی بار دیکھا ہے۔ میں اپنی تسلی کے لیے یہ جاننا چاہتا تھا کہ کیا وہ نوجوان تمہارا کوئی قریبی رشتہ دار ہے...... یا؟''

''میں اس طرح کے کسی گاڑی والے کے بارے میں تو نہیں جانتا' لیکن مجھے فریال پر پورا اعتماد ہے۔ وہ کبھی بھولے سے بھی ایسا کوئی قدم نہیں اٹھا سکتی' جس سے میری عزت میں کوئی کمی آئے یا کسی کی انگلی میری طرف اٹھے۔''

''دیکھو' میں تمہارے جذبات کو سمجھ سکتا ہوں' بیوی پر اعتماد ہونا اچھی بات ہے مگر اندھا اعتماد نقصان دہ بھی ہوسکتا ہے۔''

''تم اسے کچھ بھی سمجھو لیکن میں آنکھیں بند کر کے فریال پر اعتماد کر سکتا ہوں۔''

''خدا گواہ ہے' میں بھی کبھی بھابی کے بارے میں کچھ غلط نہیں سوچ سکتا' اسی لیے تمہارے ساتھ بات کرنے سے پہلے میں نے ایک بار نہیں' سو بار سوچا ہے لیکن ذرا سوچو تو سہی' اگر تم بھی اس نوجوان کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تو بھابی سے پوچھ لینے میں کیا حرج ہے۔''

''بس بہت ہوگئی۔ اب اس بات کو یہیں ختم کر دو نہ تم مزید کچھ سوچو اور نہ مجھے ہی اس بارے میں سوچنے پر مجبور کرو' ہم میاں بیوی کے درمیان جو اعتماد کا رشتہ ہے اسے اسی طرح بحال رہنے دو۔'' دانش نے قدرے تلخ لہجے میں بات کی تھی اور ساتھ ہی شاہد کا جواب سنے بغیر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

شاہد نے بھی اس سلسلے میں مزید کوئی بات کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا' اس لیے خاموش رہا تھا' گوکہ اسے اپنے دل سے اٹھنے والے کسی بھی سوال کا کوئی جواب نہیں ملا تھا' مگر پھر بھی وہ مطمئن تھا کہ اس نے اپنے ذہن میں پلنے والے خدشات دانش تک پہنچا دیے تھے۔

......☆☆☆......

دانش اور فریال کی محبت کے سبھی معترف تھے‘ان کی اب تک کی شادی شدہ چھ سالہ زندگی انتہائی پرسکون گزری تھی‘ دانش نے ایک بار بھی کبھی ایسا نہیں سوچا تھا کہ حالات ایسا رخ بھی اختیار کرلیں گے‘ جب اسے فریال کے کردار کے بارے میں ذرا سا بھی شک ہوگا‘ اسی لیے اس نے شاہد کی بات پر کسی فوری ردعمل کا اظہار نہیں کیا تھا‘ وہ گھر پہنچا تو اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار صاف دکھائی دے رہے تھے‘ فریال صوفے پر بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی‘ اس نے ایک بار بھی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا تھا کہ دانش کے چہرے سے پریشانی کیوں جھلک رہی تھی‘ حالانکہ اس سے قبل جب بھی کبھی اسے دانش کے چہرے سے کسی پریشانی کا ذرا سا بھی شائبہ ہوا تھا‘ وہ تڑپ اٹھی تھی۔

فریال کا بدلا ہوا رویہ دیکھ کر دانش کے دل پر چوٹ لگی تھی‘ اس لیے وہ خاموشی سے تنہا بیڈ پر جالیٹا تھا‘ وہ بیڈ پر آ لیٹا تھا مگر پھر بھی اسے امید تھی کہ فریال ابھی اس کے پیچھے پیچھے دوڑی چلی آئے گی‘ مگر ایسا نہیں ہوا تھا‘ ذرا سی تنہائی میسر آتے ہی وہ شاہد کی باتوں پر غور کرنے لگا تھا‘ وہ جس قدر بلیک کلر کی گاڑی والے نوجوان کے متعلق سوچتا جاتا تھا‘ اسی قدر الجھتا جاتا تھا‘ مگر اس کے باوجود اس کا دل اس بات کو تسلیم کرنے کے لیے ہرگز تیار نہ تھا کہ فریال کسی بھی صورت اسے کبھی دھوکا دے سکتی ہے۔

......☆☆☆......

زارا نے فریال کو بتایا تھا کہ وہ جنید کی کچھ تصاویر اسے دکھائے گی‘ مگر موت نے اسے اس کی مہلت ہی نہیں دی تھی‘ گو کہ زارا کی موت کے بعد وہ انتہائی محتاط ہوگئی تھی‘ مگر کاشف کی محبت نے اسے اس قدر اندھا کر ڈالا تھا کہ اسے کچھ اور دکھائی نہیں دیتا تھا‘ وہ کاشف کو پانے کے لیے سبھی رشتوں کو ٹھوکر مارنے کے لیے تیار تھی‘ وہ بچے جو اس کی جان اور دل کی دھڑکن تھے‘ جن کی سانسوں سے اس کی زندگی کی ڈور جڑی ہوئی تھی‘ وہی بچے نہ صرف اس کی نظروں میں کھٹکنے لگے تھے بلکہ دشمن دکھائی دینے لگے تھے اور اپنی کامیابی کی راہ میں رکاوٹ لگنے لگے تھے‘ اسے رہ رہ کر یہ احساس رلا ڈالتا تھا کہ کاش کچھ سال قبل کاشف سے اس کی ملاقات ہوگئی ہوتی‘ یا پھر اس کی شادی نہ ہوئی ہوتی اور اگر شادی ہوگئی تھی تو بچے پیدا نہ ہوئے ہوتے‘ اب اس کے لیے خاوند اور بچے راستے کے وہ پتھر تھے‘ جنہیں وہ کہیں بہت دور پھینک دینا چاہتی تھی‘ اب وہ اس موقعہ کی تلاش میں تھی‘ جب کسی بات سے چڑ کر وہ دانش سے طلاق کا مطالبہ کرسکے۔

وہ کاشف کے ساتھ بوفے ڈنر کے بعد کافی لیٹ گھر پہنچی تھی‘ دونوں بچے سو چکے تھے‘ مگر دانش ابھی تک اس کے انتظار میں صوفے پر بیٹھا اونگھ رہا تھا۔

’’کیا میں پوچھ سکتا ہوں‘ اتنی رات گئے کہاں سے آرہی ہو؟‘‘ فریال کے گھر میں داخل ہوتے ہی دانش پھٹ پڑا تھا۔

’’تمہیں فون پر اپنے لیٹ آنے کا بتا تو دیا تھا پھر اس قدر خفا کیوں ہو رہے ہو؟‘‘ فریال نے اپنے لیٹ آنے پر معذرت کرنے کی بجائے تلخی سے بات کی تھی۔

’’یہ کوئی وقت ہے گھر آنے کا؟‘‘

’’کیوں کیا ہوا ہے وقت کو؟‘‘

’’شریف گھرانوں کی بہو بیٹیاں رات گئے تک بلاوجہ گھروں سے باہر نہیں رہا کرتیں۔‘‘

’’زیادہ چیخو مت‘ یہ کام مجھے بھی آتا ہے۔‘‘

’’ویسے تمہیں بھولا تو نہیں ہوگا۔ میرے تھوڑا سا لیٹ آنے پر بھی تم مجھے کیسی کھری کھری باتیں سنایا کرتی تھی اور خود عورت ہوکر بھی رات گئے گھر آنے کو اپنا حق سمجھنے لگی ہو۔‘‘

’’دیکھو میں تم سے کہہ رہی ہوں‘ مجھ سے الجھو مت......ورنہ کچھ بھی ہوسکتا ہے۔‘‘

’’واہ! چوری اوپر سے سینہ زوری‘ اپنی غلطی پر شرمندہ ہونے کی بجائے الٹا مجھ پر ہی رعب ڈال رہی ہو۔‘‘

’’میں غلطی پر ہوتی تو کبھی تمہاری کسی بات کا برا نہ مناتی۔‘‘

’’اس کا مطلب یہ ہے کہ تم جب چاہو‘ جہاں سے چاہو‘ جس کے ساتھ چاہو گھوم پھر کر آجاؤ۔ میں تم سے پوچھوں بھی ناں؟‘‘

’’ایسا ہی سمجھ لو لیکن میں گھر میں قید ہوکر نہیں بیٹھ سکتی‘ اگر تمہیں یہ پسند نہیں تو چھوڑ دو مجھے۔‘‘

’’کیا کہا تم نے؟‘‘

''وہی‘ جو تم نے سنا۔''

''اس کا مطلب جانتی ہو تم؟''

''بچی نہیں ہوں میں‘ کیا اچھا ہے‘ کیا برا‘ سب سمجھتی ہوں‘ ہاں اگر تم نہیں سمجھے تو میں سمجھا دیتی ہوں‘ مجھے طلاق دے دو کیونکہ جب میں تمہارے معیار پر ہی پوری نہیں اتروں گی تو پھر آج نہیں تو کل یہ ہونا ہی ہے پھر ابھی کیوں نہیں؟''

فریال نے اتنی بڑی بات اتنی آسانی سے کہہ دی تھی کہ دانش کو اپنی قوت سماعت پر شک ہونے لگا تھا اور وہ حیران کن نظروں سے فریال کو دیکھے جا رہا تھا‘ فریال نے دانش کی بگڑتی ہوئی حالت کا کوئی نوٹس نہیں لیا تھا اور اسے وہیں چھوڑ کر بیڈ روم میں چلی گئی تھی‘ جبکہ دانش وہیں صوفے پر ہی ڈھیر ہو گیا تھا‘ وہ وہیں صوفے سے ٹیک لگائے بیٹھا اپنی شادی شدہ زندگی کے بارے میں غور کرنے لگا تھا‘ اس رات نینداس سے روٹھ گئی تھی‘ اس میں اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ وہ وہاں سے اٹھ کر بیڈ روم میں جا لیٹتا‘ اس لیے وہیں صوفے پر لیٹا رہا‘ فجر کی اذانیں ہونے لگی تھیں‘ جب نیند نے بالآخر اسے اپنی آغوش میں لے لیا تھا۔

وہ رات بھر جاگتے رہنے کی وجہ سے صبح معمول کے مطابق اٹھ نہیں سکا تھا‘ اس کی آنکھ کھلی تو عمر اسکول جا چکا تھا اور فریال بھی گھر پر نہیں تھی‘ جس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ بھی اپنے آفس جا چکی تھی‘ درد سے اس کا سر بری طرح پھٹا جا رہا تھا‘ منہ ہاتھ دھونے کے بعد اس نے اپنے لیے چائے تیار کی اور ہاتھ میں چائے کا کپ لیے واپس صوفے پر آ بیٹھا۔

ایک بار پھر فریال کی کہی ہوئی باتیں دانش کے کانوں میں گونجنے لگی تھیں‘ اس کی ایک ایک بات ہتھوڑے کی طرح اس کے سر پر برس رہی تھی‘ اس نے اپنا سر صوفے کی پشت گاہ پر رکھ کر آنکھیں بند کر لی تھیں‘ وہ جیسے جیسے فریال کی کہی ہوئی باتوں پر غور کرتا تھا‘ اسی قدر اس کی اندرونی کیفیت بگڑتی جاتی تھی۔

رات کو میاں بیوی کے درمیان جس قدر تلخ لہجے میں بات ہوئی تھی‘ اس کا دانش نے بہت گہرا اثر لیا تھا اور وہ تب سے ایک پل کے لیے بھی سکون سے بیٹھ نہیں پایا تھا‘ ایک ہی دن میں اس کی حالت اس مریض کی سی ہو گئی تھی‘ جو برسوں سے کسی موذی مرض میں مبتلا ہو‘ جبکہ دوسری طرف فریال یہ سوچ کر مطمئن تھی کہ اسے با آسانی اپنی وہ بات دانش تک پہنچانے کا موقعہ میسر آ گیا تھا‘ جس کے لیے وہ پچھلے کئی روز سے منصوبہ بندی کر رہی تھی۔

''میں نے کچھ مانگا تھا تم سے۔'' آفس سے واپسی پر فریال ایک بار پھر وہی قصہ لے کر بیٹھ گئی تھی۔

''کیا مانگا تھا تم نے؟'' دانش نے فریال کے منہ سے رات والی بات دوبارہ سننے کے لیے جان بوجھ کر انجان بنتے ہوئے بات کی۔

''انجان بننے کی کوشش نہ کرو‘ تم اچھی طرح جانتے ہو‘ میں تم سے طلاق کی بات کر رہی ہوں۔''

''طلاق کوئی تحفہ نہیں‘ کہ تم مانگو اور میں خوشی سے دے ڈالوں۔''

''میرے لیے تو یہ تمہاری طرف سے تحفہ ہی ہو گا۔''

''چھوٹی چھوٹی باتوں کو خوامخواہ طول نہیں دیا کرتے۔ معاملات کو الجھانے کی بجائے‘ انہیں سلجھانے کی کوشش کرنی چاہئے۔''

''بات تو سیدھی سی ہے‘ مگر تم اسے خود ہی الجھا رہے ہو۔''

''جانتی ہو‘ طلاق سے بچے بھی ٹوٹ'' کر رہ جاتے ہیں اور اس ایک فیصلے سے کئی خاندانوں کی جڑیں تک ہل کر رہ جاتی ہیں۔''

''مجھے اس بارے میں کچھ نہیں سننا۔ مجھے بچوں کی بھی ضرورت نہیں۔ تمہارے بچے‘ تمہی کو مبارک ہوں۔ میں تمہیں صرف چار دن کی مہلت دے رہی ہوں‘ مگر یہ خیال رکھنا اگر تم طلاق نہیں دو گے‘ تو میں یہ کام عدالت کے ذریعے کر لوں گی۔''

فریال نے اپنے دل کی بات دانش تک پہنچا دی تھی اور وہاں سے اٹھ کر واش روم میں جا گھسی تھی‘ جبکہ دانش دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا تھا۔

......☆☆☆......

وہ بظاہر آفس میں اپنے ٹیبل پر بیٹھی کام میں مگن تھی‘ مگر ذہن کاشف کے خیالوں میں الجھا ہوا تھا‘ آفس بوائے نے اسے باس کا پیغام دیا تھا اور وہ اپنی نوٹ بک اور بال پوائنٹ ہاتھ میں لیے باس کے کمرے میں جا کھڑی ہوئی تھی۔

''جی سر؟'' فریال نے کمرے میں داخل ہوتے ہی باس سے کہا تھا۔

''مس فریال! میں آپ سے ایک بات کرنا چاہتا تھا۔'' باس نے فریال کو بغور دیکھتے ہوئے کہا تھا۔
''حکم کریں سر۔''
''بیٹھیں پلیز۔'' فریال کو کھڑے دیکھ کر باس نے کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بات کی تھی۔
''تھینک یو سر۔'' فریال نے باس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔
''مس زارا کی موت ہم سب کے لیے بہت بڑا سانحہ ہے' اس ادارے کے لیے ان کی جو خدمات ہیں' وہ مجھ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا' ان کے جانے سے جو خلا پیدا ہوا ہے' اسے شاید ہم کبھی بھی پورا نہ کر پائیں۔''
''جی سر۔'' باس کے منہ سے زارا کا ذکر سن کر فریال کی آنکھیں بھر آئی تھیں' اس نے دل کو مضبوط کرنے کی کوشش کی تھی مگر پھر بھی اس کی آنکھوں سے دو آنسو نکل کر اس کی جھولی میں آ گرے تھے۔
فریال کو روتے دیکھ کر باس نے اپنی بات ادھوری ہی چھوڑ دی تھی' فریال نے خود کو سنبھالتے ہوئے ٹشو سے اپنا چہرہ اور آنکھیں صاف کیں اور ایک لمبی سانس چھوڑتے ہوئے بولی ''سوری سر' زارا کی باتیں سن کر میں خود پر قابو نہیں رکھ سکی۔''
''ہوتا ہے' ایسا ہوتا ہے۔ خیر میں یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ یہ بات آپ کے علم میں بھی ہے کہ ہم آفس کے لیے کسی نئی لڑکی کی تلاش میں ہیں اور اس سلسلے میں کئی لڑکیوں کے انٹرویو بھی لیے ہیں' امید ہے جلد ہی کوئی نہ کوئی مناسب لڑکی مل جائے گی' فی الحال آپ اپنے کام کے ساتھ زارا کا کام بھی دیکھ لیا کریں۔ جو نئی لڑکی اپوائنٹ ہوگی' وہ آپ کی سیٹ سنبھال لے گی۔''
''ٹھیک ہے سر! میں کرلوں گی۔'' بات کرتے ہی فریال اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔
''آپ کہاں چل دیں؟'' فریال کو اٹھتے دیکھ کر باس نے دریافت کیا تھا۔
''سوری سر! میں سمجھی شاید آپ نے جس بات کے لیے مجھے بلایا تھا' وہ پوری ہوگئی۔'' فریال نے دوبارہ بیٹھنے کی بجائے کھڑے کھڑے بات کی تھی۔
''جس بات کے لیے میں نے آپ کو بلایا تھا' وہ بات تو میں نے ابھی تک کی ہی نہیں۔''
''فرمائیں سر۔''
''ہم نے آپ کی کارکردگی اور صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے' آپ کی تنخواہ میں دس ہزار روپے اضافے کا فیصلہ کیا ہے۔''
''آپ کا بہت شکریہ سر! کیا اب میں جاسکتی ہوں؟'' چہرے پر مسکراہٹ سجائے فریال نے بات کی تھی۔
''ہاں......اب آپ جاسکتی ہیں۔''
باس سے اجازت ملتے ہی فریال واپس اپنی سیٹ پر آ بیٹھی تھی' اس کے لیے تنخواہ میں دس ہزار روپے کا اضافہ کوئی معمولی نہیں تھا' وہ اس قدر خوش تھی کہ اس سے خوشی سنبھالی نہیں جارہی تھی' اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ جلدی سے سب کو یہ خوشخبری سنا ڈالے' ایسے میں اسے اپنی دوست زارا کا خیال آنا یقینی تھا' وہ سوچنے لگی کہ اگر آج وہ زندہ ہوتی تو یقیناً خوشی سے جھومنے لگتی' زارا کا خیال دل میں آتے ہی اس کی آنکھیں پھر سے بھر آئی تھیں اور وہ اس کے متعلق سوچنے لگی تھی۔
فریال کے لیے یہ دن زندگی کا انتہائی یادگار دن تھا' اچانک اس کی آمدن میں اچھا خاصا اضافہ ہوگیا تھا' وہ اندر ہی اندر خوشی سے جھوم رہی تھی' مگر اچانک اس کے بدن میں کپکپی سی پھیل گئی تھی' وہ بری طرح کانپ اٹھی تھی اور سر چکرانے لگا تھا' اسے آفس کی ہر چیز گھومتی دکھائی دینے لگی تھی' اس نے اپنی کہنیاں میز پر رکھتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا تھا' اس کی اس کیفیت کی وجہ زارا کی آواز تھی' اس نے تیزی سے گردن گھما کر اپنے چاروں طرف دیکھا تھا' اسے وہاں کوئی دکھائی نہیں دیا تھا' مگر اسے پورا یقین تھا کہ وہ زارا کی ہی آواز تھی' جو اس کے کانوں میں چپکے سے کہہ گئی تھی ''سنبھل سکتی ہو تو سنبھل جاؤ' بچ سکتی ہو تو بچ جاؤ' شکاریوں نے تمہارے گرد جال پھیلانا شروع کردیے ہیں۔''
زارا کی آواز نے اس کے اندر ہلچل مچادی تھی' اس کے تن بدن میں آگ سی بھڑک اٹھی تھی' کیونکہ زارا کے وہ الفاظ اس کے کانوں میں بار بار گونجنے لگے تھے' جو اس نے اپنی کہانی سناتے ہوئے کہے تھے ''اسی کے کہنے پر میری تنخواہ میں اضافہ کیا گیا تھا' میں اس روز بہت خوش تھی' مگر اس وقت یہ سمجھ نہیں پائی تھی کہ مجھے شکار کرنے کے لیے تنخواہ میں اضافے کا دانہ پھینکا گیا ہے' جسے میں نے بخوشی چگ بھی لیا تھا۔''
وہ دن بھر خود سے لڑتے ہوئے آفس سے گھر پہنچی تھی' دانش کچن میں گھسا ہوا تھا' عمر اور علی دونوں صوفے پر بیٹھے اپنے پسندیدہ

کارٹون ڈورے مون دیکھ رہے تھے انہیں اِدھر اُدھر کا کوئی ہوش نہیں تھا انہوں نے کئی روز بعد ماں کو دیکھا تھا ماں کو دیکھتے ہی عمر کارٹون چھوڑ کر پیار سے اس کی ٹانگوں سے لپٹ گیا تھا بھائی کو ماں کی ٹانگوں سے لپٹتے دیکھ کر علی نے بھی جلدی سے آگے بڑھ کر ماں کی ٹانگوں کے گرد اپنی چھوٹی چھوٹی سی بانہیں ڈال دی تھیں۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے۔'' فریال نے بچوں کو پیار کرنے کی بجائے اپنی ٹانگوں کو جھٹکتے ہوئے ڈانٹ دیا تھا۔

ماں کی ڈانٹ سن کر دونوں بھائی سہم کر ایک طرف ہو گئے تھے فریال نے اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دی اور وہاں رکے بغیر بیڈ روم کی طرف بڑھ گئی تھی دانش فریال کی آواز سنتے ہی کچن سے نکل کر ٹی وی لاؤنج میں آیا تھا جہاں عمر اور علی آنکھوں میں آنسو لیے خاموش کھڑے تھے جبکہ فریال وہاں موجود نہیں تھی۔

''کیا ہوا تم دونوں کو یوں پریشان کیوں بیٹھے ہو؟'' دانش نے بچوں کو پچکارتے ہوئے دریافت کیا۔

''ماما گندی ہیں میں نہیں ان کے ساتھ بولتا۔'' باپ کے پوچھنے پر علی نے بات کی تھی۔

''ایسے نہیں کہتے بیٹا ماما تو بہت اچھی ہیں۔'' دانش نے علی کو پیار سے سمجھایا۔

''نہیں ماما بہت گندی ہیں انہوں نے مجھے پیار نہیں کیا ایسے کر کے دھکا دے دیا۔'' علی نے ہاتھ کے اشارے سے ماں کے دھکا دینے کے بارے میں باقاعدہ سمجھاتے ہوئے کہا تھا۔

''ماما تھکی ہوئی ہوں گی بیٹا! اس لیے تمہیں ایسا محسوس ہوا ہوگا۔'' دانش نے پیار سے علی اور عمر کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے سمجھایا اور پھر اٹھتے ہوئے بولا ''ابھی آپ دونوں کارٹون دیکھو۔ میں کھانا لگاتا ہوں پھر سب مل کر کھانا کھائیں گے۔'' بات کرتے ہی دانش کچن میں گھس گیا تھا اور دونوں بھائی پھر سے کارٹون دیکھنے لگے تھے۔

بیڈ پر لیٹتے ہی ایک بار پھر اسے انہی سوچوں نے آگھیرا تھا جن سے وہ دن بھر الجھتی رہی تھی وہ یہ سوچ کر پریشان ہو اٹھی تھی کہ کہیں اس کے ساتھ بھی وہی کچھ تو ہونے نہیں جا رہا تھا جو زارا کے ساتھ ہوا تھا وہ دیر تک جنید اور کاشف کو ترازو کے دونوں پلڑوں میں رکھ کر تولتی رہی بار بار اس کا دماغ اسے یہی سمجھاتا تھا کہ جنید اور کاشف میں کہیں کوئی فرق دکھائی نہیں دیتا گوکہ وہ زارا کی موت کے بعد انتہائی محتاط ہو گئی تھی مگر اس کے اندر کہیں کوئی چور چھپا بیٹھا تھا اسی لیے دل بار بار کاشف کے حق میں فیصلہ سنا ڈالتا تھا کاشف کو پانے کی آرزو اس کی رگ رگ میں دوڑ رہی تھی وہ کسی بھی حال میں کاشف کو کھونا نہیں چاہتی تھی اس لیے اس نے خود کو ہر طرح سے سمجھا بجھا کر مطمئن کر لیا تھا۔

ایک طرف فریال جاگ رہی تھی دوسری طرف فریال کی طرف سے پیدا ہونے والی بدگمانیاں دانش کو جگائے ہوئے تھیں اس نے کئی بار بلیک کلر کی گاڑی والے نوجوان کے بارے میں فریال سے بات کرنے کی کوشش کی تھی مگر ہر بار بات زبان پر آتے آتے رہ گئی تھی لیکن یہ بات مچھلی کے کانٹے کی طرح اس کے گلے میں پھنس کر رہ گئی تھی جسے اگر حلق سے اتارنا مشکل تھا تو باہر نکالنا اس سے بھی کہیں زیادہ دشوار تھا۔

......☆☆☆......

فریال کے ساتھ اب تک پیش آنے والے واقعات کی تمام کڑیاں جنید سے جا ملتی تھیں مگر فریال کسی بھی طرح کاشف کو جنید جیسا سمجھنے کے لیے تیار نہ تھی کاشف نے آفس سے نکلنے کے بعد ہائی ٹی کا پروگرام بنایا تھا اس لیے وہ ان لمحوں کو کسی اور سوچ میں الجھ کر ضائع نہیں کرنا چاہتی تھی پروگرام کے بعد گاڑی میں بیٹھتے ہی کاشف نے گاڑی کا رخ اس ریسٹورانٹ کی طرف موڑ دیا تھا جہاں انہیں ہائی ٹی کے لیے جانا تھا پارکنگ ایریا میں گاڑی پارک کرنے کے بعد وہ ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ہال میں اندر داخل ہونے لگے تو ایک باوردی گیٹ کیپر نے ان کے لیے دروازہ کھول دیا تھا اس وقت اندر زیادہ لوگ نہیں تھے اس لیے انہوں نے اپنی پسند سے کونے میں ایک ٹیبل کا انتخاب کیا اور آمنے سامنے بیٹھ گئے تھے۔

ہمیشہ سے ایسا ہوتا آیا تھا کہ جب بھی وہ دونوں کسی ہوٹل یا ریسٹورانٹ میں گئے تھے کاشف بہت چہک رہا ہوتا تھا مگر فریال نے یہ بات محسوس کی تھی کہ جب سے وہ اور کاشف ایک ساتھ تھے مسکرانا تو ایک طرف کاشف نے ڈھنگ سے کوئی بات بھی نہیں کی تھی اگر اس نے کوئی بات کی تھی تو اس کے جواب میں کاشف ہوں ہاں سے زیادہ کچھ نہیں بولا تھا وہ کھانے کے لیے اپنی اپنی پسند سے کچھ چیزیں پلیٹ میں ڈال کر واپس ٹیبل پر آ بیٹھے تھے مگر اب تک کاشف نے خاموشی کو نہیں توڑا تھا۔

''کیا بات ہے آج کچھ پریشان لگ رہے ہو؟'' خاموشی کو توڑنے کے لیے فریال نے بات کی تھی۔

’’نہیں تو ایسی کوئی بات نہیں‘‘ کاشف نے چہرے پر جھوٹی مسکراہٹ سجاتے ہوئے جواب دیا تھا۔
’’تمہیں تو صحیح طرح سے جھوٹ بھی بولنا نہیں آتا۔‘‘
’’ہاں……شاید ایسا ہی ہے۔‘‘
’’اگر کوئی بات ہے‘ تو مجھ سے کیوں چھپا رہے ہو؟‘‘
’’میں تم سے کچھ چھپانا نہیں چاہ رہا‘ لیکن تمہیں بتانے کی بھی ہمت نہیں ہے مجھ میں۔‘‘
’’ایسی کیا بات ہے‘ جو تم مجھ سے چھپانا بھی نہیں چاہ رہے اور بتانا بھی مشکل ہو رہا ہے؟‘‘
’’بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں‘ جنہیں ہونٹوں تک لانا انتہائی دشوار ہوتا ہے اور وہ اندر ہی اندر گھائل کیے جاتی ہیں۔‘‘
’’کاشف! جو کہنا ہے پلیز کہہ ڈالو ورنہ تمہاری خاموشی مجھے مار ڈالے گی۔‘‘
فریال کی بات سن کر کاشف نے کوئی جواب نہیں دیا تھا اور اپنی آنکھیں فریال کے چہرے پر گاڑ دی تھیں‘ مگر لب خاموش تھے‘ اس کے انداز سے ایسا محسوس ہو رہا تھا‘ جیسے وہ کوئی بہت بڑی بات کہنا چاہتا تھا مگر زبان اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی‘ کچھ دیر تک ان دونوں میں گہری خاموشی چھائی رہی‘ پھر کاشف نے ایک لمبی سانس لے کر چھوڑی اور جیب سے ایک لفافہ نکال کر فریال کی طرف بڑھا دیا‘ فریال نے لفافہ ہاتھ میں لیے کاشف کی طرف دیکھتے ہوئے آنکھوں کے اشارے سے اس لفافے کے بارے میں دریافت کیا تھا‘ مگر منہ سے جواب دینے کی بجائے کاشف نے بھی اشارے سے اسے کہا تھا کہ وہ لفافہ کھول کر خود ہی دیکھ لے۔
لفافہ ہاتھ میں آتے ہی فریال کے دل و دماغ میں خطرے کی گھنٹیاں بج اٹھی تھیں اور کچھ سوچ کر اس کے ہاتھ کانپنے لگے تھے‘ اس نے ذہن میں اٹھنے والے خیالات کو جھٹکتے ہوئے خود کو مضبوط کیا اور دھڑکتے دل کے ساتھ لفافہ کھول لیا‘ لفافہ کھلتے ہی قابل اعتراض حالت میں کھینچی گئی اس کی بہت سی تصاویر اس کے سامنے میز پر بکھر گئی تھیں‘ ان تصاویر پر نظر پڑتے ہی اس کے بدن میں کپکپی پھیل گئی تھی۔
’’یہ سب کیا ہے؟‘‘ فریال نے ایک جھرجھری لے کر جلدی سے تصاویر سمیٹ کر واپس لفافے میں ڈالتے ہوئے سوال کیا۔
’’یہی تصویریں ہیں‘ جو میری پریشانی کا سبب بنی ہوئی ہیں۔ یقین کرو ان تصویروں کی وجہ سے میں رات بھر ایک پل کے لیے بھی سو نہیں پایا ہوں۔‘‘
’’جہاں تک میں سمجھ پائی ہوں یہ تصویریں ٹرائی روم میں ڈریسز ٹرائی کرتے ہوئے اتاری گئی ہیں۔‘‘
’’ہوسکتا ہے ایسا ہی ہو لیکن وہ لوگ ان تصویروں کی وجہ سے ہمیں بلیک میل کرنے پر اتر آئے ہیں۔‘‘
فریال کے سپنوں کا محل ایک ہی جھٹکے سے زمین بوس ہو گیا تھا‘ وہ اب تک جسے محبت سمجھتی رہی‘ وہ دھوکے اور فریب کے سوا کچھ بھی نہ تھا‘ وہ چند لمحوں میں ہی جان گئی تھی کہ اس کے ساتھ بھی زارا والی کہانی دہرائی جا رہی تھی‘ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر روئے‘ لیکن وہ ایسا کر کے خود کو کمزور ثابت نہیں کرنا چاہتی تھی‘ مگر اسے ظاہر یہی کرنا تھا کہ وہ ان تصویروں کی وجہ سے بہت پریشان ہو گئی ہے۔
’’اب کیا ہوگا؟‘‘ فریال نے جان بوجھ کر انجان بنتے ہوئے کاشف کے خیالات جاننے کے لیے دریافت کیا تھا۔
’’ان تصویروں کے بدلے میں ان لوگوں نے جو مطالبات کیے ہیں‘ میں تو ان کے بارے میں سوچ کر ہی کانپ اٹھتا ہوں۔‘‘
’’ایسا کیا کہتے ہیں وہ؟‘‘ فریال پہلے سے جانتی تھی کہ اس کے اس سوال پر کاشف کا کیا جواب ہوگا‘ مگر پھر بھی وہ ایک بار اس کے منہ سے سننا چاہتی تھی۔
’’میں وہ بات زبان پر کیسے لاؤں؟‘‘
’’تم کہہ ڈالو میں سننے کے لیے تیار ہوں۔‘‘
’’وہ……وہ لوگ۔‘‘
’’ہاں ہاں……وہ لوگ کیا چاہتے ہیں۔‘‘
’’وہ لوگ ان تصویروں کے بدلے‘ تمہارے کچھ پل اپنے نام کرنا چاہتے ہیں۔‘‘
’’تم کیا کہتے ہو؟‘‘
’’اب میں اپنی زبان سے کیسے کہوں‘ مگر سوچتا ہوں‘ اگر ان کی بات نہ مانی تو وہ لوگ تمہیں بدنام کر دیں گے۔ تمہاری یہ تصویریں تمہارے

محلے کے ہر گھر میں پہنچادیں گے' اس لیے ان کی بات مان لینے میں کوئی حرج نہیں۔''
''لیکن؟''
''تم میری طرف سے پریشان مت ہونا' میرے دل میں جو تمہاری جگہ ہے' اس میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔''
''ٹھیک ہے اگر تمہاری خوشی اسی میں ہے تو تمہاری خاطر یہ بھی سہی۔''
فریال کی بات سن کر ایک لمحے کے لیے کاشف کے چہرے پر جو ہلکی سی مسکراہٹ پھیلی تھی' اسے صرف فریال ہی محسوس کرسکتی تھی' مگر کاشف نے انتہائی چالاکی سے اپنی خوشی پر قابو پاتے ہوئے پھر سے چہرے پر اداسی اور پریشانی سجالی تھی تاکہ کہیں فریال اس کے اندر کی کیفیت کو بھانپ نہ لے' جبکہ فریال' کاشف کے اندر ہونے والی دھمال سے پوری طرح آگاہ تھی' وہ جانتی تھی کہ اس وقت کاشف اپنی کامیابی پر اندر ہی اندر کس طرح خوش ہو رہا ہوگا۔
وہ بہت کچھ کہہ دینا چاہتی تھی' مگر اسے ایک ایک لفظ خوب سوچ سمجھ کر ادا کرنا تھا' ہر قدم اٹھانے سے قبل اسے سو بار سوچنا تھا' اس لیے یہ مناسب وقت نہیں تھا کہ اس بارے میں مزید کوئی بات کی جاتی' یوں بھی کہنے اور سننے کے لیے باقی رہ ہی کیا گیا تھا' وہ ریسٹوران میں آنے سے قبل انتہائی خوش تھی اور بہت چہک رہی تھی' مگر چند لمحوں میں ہی وہ اس قدر ٹوٹ پھوٹ گئی تھی کہ اس کی پسندیدہ کھانے کی اشیاء سے بھری پلیٹ سامنے پڑی تھی مگر کھانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا' جبکہ کاشف مسلسل کھانے میں لگا ہوا تھا' کچھ دیر اسی طرح گزر گئی تھی' پھر وہ خاموشی سے وہاں سے اٹھ گئے تھے۔
گھر پہنچنے تک فریال کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری رہیں' مگر اس نے نہ صرف انہیں بہنے سے روکے رکھا تھا بلکہ کاشف پر بھی کچھ ظاہر نہیں ہونے دیا تھا' اس سے پہلے کہ دانش اس کی کیفیت کو بھانپ لیتا' وہ گھر پہنچتے ہی واش روم میں گھس گئی تھی' جس طوفان کو کسی نہ کسی طرح وہ اب تک روکے ہوئے تھی' اس نے سارے بند توڑ ڈالے تھے اور وہ بلک پڑی تھی' وہ دیر تک واش روم میں کھڑی آنسو بہاتی رہی' طوفان کے تھم جانے کے بعد اس نے اپنی آنکھوں اور چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے اور اچھی طرح منہ ہاتھ دھو کر باہر نکل آئی تھی۔
وہ چاروں کھانے کی میز پر کھانے کے لیے بیٹھے تھے' مگر وہ بمشکل ایک دو نوالے ہی حلق سے نیچے اتار پائی تھی' فریال کے کھانا نہ کھانے کی وجہ دانش یہی سمجھ پایا تھا کہ شاید اسے کھانا پسند نہیں آیا تھا' اس لیے اس نے شوق سے کھانا نہیں کھایا تھا' اس روز وہ کھانا کھانے کے بعد سب کے ساتھ مل کر ٹیلی وژن دیکھنے کی بجائے خاموشی سے اٹھ کر بیڈ پر جا لیٹی تھی' بیڈ پر لیٹتے ہی ایک بار پھر اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں' وہ سوچنے لگی تھی کہ بلا سوچے سمجھے وہ اپنے ہی ہاتھوں اپنا ہنستا بستا گھر تباہ کرنے جا رہی تھی۔
دیر تک وہ خود کو ہی لعنت ملامت کرتی رہی' اس کے آنسو تھے کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے' اسے رہ رہ کر یہ خیال تڑپا رہا تھا کہ وہ دل و جان سے پیار کرنے والے شوہر پر ایک ایسے شخص کو کیوں ترجیح دینے لگی تھی' جو پیار کے مفہوم سے ہی ناآشنا تھا' جسے اس سے زیادہ اس کے خوب صورت جسم میں دلچسپی تھی اور وہ اس کی عزت کو کسی کے ہاتھ بھی نیلام کر ڈالنے کو تیار تھا۔

......☆☆☆......

رات خود کو کوستے اور بار بار خدا سے اپنی راہ سے بھٹکنے پر معافی مانگتے ہوئے کٹ گئی تھی' فجر کی اذان کی آواز اس کے کان میں پڑی تو اس نے بیڈ چھوڑ دیا اور واش روم میں گھس گئی' رات بھر جاگتے اور روتے رہنے سے اس کی آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں' اس نے وضو کیا اور خاموشی سے جائے نماز اٹھا کر ٹی وی لاؤنج میں آ گئی' جہاں اس نے فجر کی نماز ادا کی' نماز ادا کرنے کے بعد دعا مانگتے ہوئے وہ خود پر قابو نہیں رکھ پائی تھی اور روتے ہوئے اس کی ہچکی بندھ گئی تھی' اس کے ہاتھ خدا کے حضور اٹھے ہوئے تھے اور لبوں پر دعا تھی' ''اے خدا میرا گناہ قابل معافی تو نہیں' مگر تو ہمارا رب ہے اور دلوں کے بھید صرف تو ہی جانتا ہے' میرا گناہ کتنا ہی بڑا سہی مگر تو پھر بھی معاف کر دینے والا ہے اور مجھ جیسے گنہگاروں کے عیبوں پر پردے بھی تو ہی ڈالتا ہے' یا اللہ مجھے معاف کر دے اور بدنام ہونے سے بچالے' تو غفور الرحیم ہے اور اپنے بندوں کو معاف کر دینے والا ہے' تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تو نے وقت پر میری آنکھیں کھول دیں اور اپنے فضل و کرم کے ساتھ میری عزت کو ہر طرح سے محفوظ رکھا' یا اللہ مجھے اس قدر ہمت عطا فرما کہ میں برائی کے سامنے کمزور نہ پڑ جاؤں اور اپنے حبیب کے صدقے میری رہنمائی فرما۔'' خدا کے حضور دعا مانگنے اور آنسو بہانے سے اس کے دل کا بوجھ قدرے ہلکا ہو گیا تھا' اس نے جائے نماز تہہ لگا کر ایک طرف رکھا اور پھر سے بیڈ پر جا لیٹی۔

دانش کی آنکھ کھلی تو فریال سو رہی تھی' ورنہ ہمیشہ وہ اس سے پہلے اٹھ جایا کرتی تھی' اور کبھی ایک بار بھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ آفس جانے کے لیے اسے فریال کو جگانا پڑا ہو' دانش نے ان تینوں کو سونے دیا اور خود واش روم سے فارغ ہو کر کچن میں چلا گیا' وہ ناشتہ تیار کر چکا تھا مگر فریال ابھی تک سو رہی تھی' اس نے عمر کو اٹھایا اور اسے ناشتہ کروا کر اسکول روانہ کر دیا' عمر کے جانے کے بعد دانش واپس بیڈ روم میں آیا تو فریال تب تک بھی نہیں اٹھی تھی۔

''آج آفس جانے کا ارادہ نہیں ہے کیا؟'' دانش نے فریال کے پاس بیٹھتے ہوئے آہستہ سے سوال کیا تھا' مگر فریال اس قدر گہری نیند سو رہی تھی کہ دانش کی بات کا کوئی جواب نہیں دے پائی تھی۔

''فریال اٹھنا نہیں ہے کیا؟'' فریال کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر ایک بار پھر دانش نے دریافت کیا تھا۔

اس بار دانش کی آواز فریال کے کانوں میں پڑ گئی تھی اور اس نے آنکھیں کھول دی تھیں' مگر لب اب بھی خاموش تھے' فریال بیڈ کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی تھی اور کچھ کہنے کی بجائے دانش کو دیکھے جا رہی تھی۔

''طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟'' فریال کو خاموش دیکھ کر ایک بار پھر دانش نے پوچھا تھا۔

''ہاں' میں ٹھیک ہوں۔'' اس بار فریال بول پڑی تھی۔

''تو آفس نہیں جانا؟''

''نہیں' آج آفس جانے کو میرا دل نہیں چاہ رہا۔''

''تو ٹھیک ہے چھٹی کر لو۔''

''میں بھی یہی سوچ رہی ہوں۔''

''تمہاری آنکھیں کیوں سُوجی ہوئی ہیں..... لگتا ہے رات کو ٹھیک سے سو نہیں پائی ہو؟'' دانش نے فریال کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے بات کی تھی۔

''میں نے کہا ناں مجھے کچھ نہیں ہوا' میں بالکل ٹھیک ہوں' تم خوامخواہ کیوں پریشان ہو رہے ہو۔''

''اچھا ایسا کرتے ہیں ناشتہ تیار ہے دونوں مل کر ناشتہ کرتے ہیں پھر جب تک جی چاہے آرام سے سوئی رہنا۔''

فریال نے دانش کی بات کا جواب دینے کی بجائے محض گردن ہلا کر رضامندی کا اظہار کر دیا تھا' فریال کا اشارہ پاتے ہی دانش وہاں سے اٹھ گیا تھا' جب تک اس نے میز پر ناشتہ لا کر رکھا' تب تک فریال بھی منہ ہاتھ دھو کر وہاں آ بیٹھی تھی' ایک مدت بعد وہ دونوں ایک ساتھ بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے' دانش کو فریال پر پیار آ رہا تھا' جبکہ فریال اس سے نظریں بھی نہیں ملا پا رہی تھی۔

ناشتے کے بعد ایک بار پھر فریال بیڈ پر آ لیٹی تھی' لیٹتے ہی کاشف کی سوچوں نے اسے آ گھیرا تھا اور آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے تھے' وہ اپنے آئندہ کے لائحہ عمل پر غور کرنے لگی تھی' کاشف کی اصلیت کھل کر اس کے سامنے آ چکی تھی' اس پر کسی بھی قسم کا بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا' وہ اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے کسی بھی وقت کوئی بھی قدم اٹھا سکتا تھا' اس لیے ضروری تھا کہ خود کو ہر خطرے سے نمٹنے کے لیے ہر پل تیار رکھا جائے' رونے دھونے سے کچھ حاصل ہونے والا نہیں تھا' اس کے لیے ہمت اور حوصلے کی ضرورت تھی' یہ خیال آتے ہی اس نے آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں کو پونچھ ڈالا تھا اور اگلے ہی لمحے بیڈ بھی چھوڑ دیا تھا۔

وہ کوئی بھی قدم اٹھانے سے قبل دانش کو اعتماد میں لینا چاہتی تھی' مگر ایسا کرنے کا حوصلہ نہیں کر پا رہی تھی' وہ ایک بار پھر الجھ کر رہ گئی تھی' اگر اس کے لیے بات چھپانا مشکل تھا تو بتانا اس سے کہیں زیادہ مشکل تھا' مگر حقیقت یہ تھی کہ وہ یہ بات دانش سے کب تک چھپا سکتی تھی' آج نہیں تو کل یہ بات کسی نہ کسی ذریعے دانش کے کانوں تک پہنچ سکتی تھی' مگر تب اس کے لیے اپنی پوزیشن واضح کرنا انتہائی مشکل ہو سکتا تھا۔

دانش صوفے پر بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا' اس نے ٹی وی کی آواز بہت کم کی ہوئی تھی تاکہ فریال ڈسٹرب نہ ہو اور سکون سے سوئی رہے' فریال اس کے پاس جا کھڑی ہوئی تھی۔

''تم سوئی نہیں؟'' فریال پر نظر پڑتے ہی دانش نے حیران ہو کر دریافت کیا تھا۔

''گئی تو سونے ہی تھی' مگر نیند نہیں آ رہی تھی' اس لیے اٹھ کر تمہارے پاس چلی آئی۔''

''آؤ یہاں بیٹھ جاؤ۔'' دانش نے اپنے پاس ہی فریال کے لیے صوفے پر جگہ بناتے ہوئے کہا۔

دانش کے کہنے پر فریال خاموشی سے صوفے پر بیٹھ گئی تھی اور دانش پھر سے ٹی وی دیکھنے لگا تھا' فریال کچھ دیر اسی کیفیت میں خاموش بیٹھی رہی تھی' پھر ہمت کر کے بولی۔ ''میں تم سے ایک بات کرنا چاہتی ہوں۔''

''بتاؤ کیا کہنا چاہتی ہو۔'' دانش نے ٹی وی بند کر کے فریال کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں جو بات کہنے جا رہی ہوں' اسے سننے کے لیے بہت حوصلے کی ضرورت ہے۔''

''تم جو کچھ بھی کہنا چاہتی ہو' کہہ ڈالو...... میں سننے کے لیے پوری طرح تیار ہوں۔''

بات کرنے سے پہلے فریال نے ایک لمبی سانس لے کر چھوڑی تھی' اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ بات کا آغاز کہاں سے کرے۔

''بات کرنے سے قبل تم سے میری یہ درخواست ہے کہ میری بات مکمل ہونے سے پہلے میرے متعلق کوئی بھی رائے قائم نہ کر لینا۔''

''میں حیران ہوں کہ تمہیں ایسا کہنے کی ضرورت کیوں محسوس ہو رہی ہے پھر بھی تم اس یقین کے ساتھ اپنی بات مکمل کرو کہ مجھے تم پر جو اعتماد اور بھروسہ ہے' اس میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔''

دانش کی بات نے فریال کو حوصلہ دیا تھا اور وہ اپنے اور کاشف کے بارے میں شروع سے آخر تک ہر وہ بات بتانے لگی تھی' جو اس سے قبل کبھی بھولے سے بھی اس کے لبوں پر نہیں آئی تھی' کاشف نے وعدے کے مطابق انتہائی حوصلے سے فریال کی پوری بات سنی تھی' فریال اپنی بات مکمل کر چکی تو ان دونوں کے درمیان گہری خاموشی چھا گئی تھی' یوں محسوس ہو رہا تھا' جیسے کسی نے ان دونوں سے قوت گویائی ہی چھین لی تھی' دانش سر پکڑ کر بیٹھ گیا تھا اور ہونٹوں سے ایک لفظ بھی ادا نہیں کر پایا تھا' وہ کچھ دیر تک اسی حالت میں وہیں بیٹھا رہا' پھر کوئی بھی بات کیے بغیر خاموشی سے وہاں سے اٹھ گیا تھا جبکہ فریال وہیں بیٹھی آنسو بہانے لگی تھی۔

فریال کی باتوں نے دانش کو بری طرح ہلا ڈالا تھا' اس کی اندرونی کیفیت کسی بھونچال کی سی تھی' قریب تھا کہ اسے خود پر قابو نہ رہتا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلتے' مگر وہ فریال کے سامنے رو کر اس کی نظروں میں خود کو کمزور ثابت نہیں کرنا چاہتا تھا' اس لیے وہاں سے اٹھ کر وہ واش روم میں جا گھسا تھا اور خوب جی بھر کر رویا تھا' رو لینے سے جب اس کے اندر کا طوفان قدرے تھم گیا تو وہ بیڈ کی بیک سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تھا۔

کچھ دیر فریال بھی اپنی جگہ پر بیٹھی آنسو بہاتی رہی' پھر دوپٹے کے پلو سے اپنی آنکھوں کو صاف کیا اور بیڈ روم میں آ گئی' جہاں دانش بیڈ کی بیک سے ٹیک لگائے خاموش بیٹھا تھا' وہ اس کے پاس ہی جا بیٹھی تھی' مگر دانش نے اس سے کوئی بات نہیں کی تھی' فریال کی آنکھوں سے ایک بار پھر آنسو بہہ نکلے تھے' اس کا خیال تھا کہ شاید دانش اس کے بہتے ہوئے آنسو دیکھ کر اس سے کوئی بات کرے' مگر دانش نے ایک بار بھی آنکھ اٹھا کر اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

''تم مجھ سے بات کیوں نہیں کر رہے؟'' فریال نے روتے ہوئے دانش سے دریافت کیا تھا' مگر دانش نے اس کے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا تھا' اس لیے وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی' لیکن دانش اب بھی خاموش تھا۔

''خدا کے لیے دانش کچھ تو کہو۔'' فریال نے ایک بار پھر دانش سے بات کرنے کو کہا تھا۔

''اب کہنے کو رہ ہی کیا گیا ہے۔'' دانش نے فریال کی طرف دیکھتے ہوئے بات کی تھی۔

''میں مانتی ہوں مجھ سے بہت بڑی بھول ہوگئی' تم مجھے اس کی جو بھی سزا دینا چاہو دے سکتے ہو' میں اف تک نہیں کروں گی' مگر تمہاری خاموشی مجھ سے برداشت نہیں ہو پائے گی۔'' فریال ایک بار پھر سسک پڑی تھی۔

''کیا میں پوچھ سکتا ہوں' تمہیں ایسا کرنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ ایسا کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے' تمہیں میرے بارے میں نہیں تو کم از کم اپنے معصوم بچوں کے بارے میں ہی سوچ لینا چاہیے تھا؟''

''مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ میری سوچ غلط تھی لیکن سچ پوچھو تو مجھے خود بھی پتہ نہیں چلا کہ میں ان کے بچھائے ہوئے جال میں کس طرح پھنستی چلی گئی۔''

''کہیں یہ وہی تو نہیں جس کے لیے تم۔'' دانش نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد بات کی تھی' مگر اس نے جان بوجھ کر اپنی بات ادھوری ہی چھوڑ دی تھی' کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس کی نامکمل بات کو بھی وہ پوری طرح سمجھ گئی ہوگی۔

''ہاں' مگر تب بات اور تھی' لیکن اب اس کی اصلیت کھل کر میرے سامنے آ چکی ہے اور میری آنکھوں میں سجے خواب بھی ٹوٹ کر ریزہ

ریزہ ہو چکے ہیں۔''

''لیکن اب تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟''

''یہ ٹھیک ہے کہ دولت کی چمک اور دلفریب خواب دیکھ کر میں بھٹک گئی تھی مگر خدا کے لیے میری پاکیزگی پر کبھی کوئی شک نہ کرنا۔ خدا گواہ ہے' میں نے تمہاری امانت میں کبھی خیانت نہیں کی۔''

......☆☆☆......

انتہائی سوچ بچار کے بعد فریال نے کاشف سے ملاقات کا پروگرام بنایا تھا اور جیسے تیسے دانش کو بھی اپنے ساتھ جانے کے لیے راضی کرلیا تھا' کاشف سے ملاقات کے لیے جانے سے قبل اس نے تحفوں سے بھرے وہ تمام شاپر احتیاط سے اپنے ساتھ لے لیے تھے' جو کاشف نے مختلف مواقع پر کسی نہ کسی بہانے اسے دیے تھے' جنہیں فریال نے اب تک جوں کا توں سنبھال رکھا تھا' اس نے خود کو ہر طرح سے مضبوط کرلیا تھا' وہ آنے والے خطرے کی ہر گھڑی کا مقابلہ کرنے کے لیے خود کو تیار کرچکی تھی' مگر پھر بھی احتیاط انتہائی ضروری تھی' اسی لیے اس نے اپنے ساتھ دانش کو بھی جانے کے لیے تیار کیا تھا' تاکہ وہ کسی بھی مرحلے پر کمزور نہ پڑ جائے۔

کاشف کو فریال کے آنے کی خبر مل چکی تھی' فریال نے ہی ملاقات کے لیے کسی ہوٹل یا ریسٹورانٹ کی بجائے میڈم نازیہ کے گھر کا انتخاب کیا تھا' جہاں وہ بے صبری سے اس کا منتظر تھا' فریال' میڈم نازیہ کے ہاں پہنچی تو کاشف کرسی پر بیٹھا کسی سے موبائل پر بات کرنے میں مصروف تھا' اس لیے اس کی نظر فریال پر نہیں پڑی تھی' فریال' دانش کو وہیں رکنے کا اشارہ کرکے خود کاشف کی طرف بڑھ گئی تھی۔

''جنید۔'' فریال نے جان بوجھ کر کاشف کی بجائے جنید کے نام سے مخاطب کیا تھا۔

فریال کی زبان سے جنید کا نام سن کر وہ ایک جھٹکے کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا اور حیران نظروں سے فریال کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا ''کیا؟'' پھر فریال کا جواب سننے کی بجائے جلدی سے اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے خود ہی بول پڑا ''یہ......جنید کون ہے؟''

''برائی کو کوئی بھی نام دے لو وہ برائی ہی رہتی ہے' تم خود کو جنید کہو یا کاشف' تمہارے اندر کی غلاظت ویسی کی ویسی ہی رہے گی۔''

''یہ آج تم کس طرح کی باتیں کر رہی ہو؟''

''انجان تو ایسے بن رہے ہو' جیسے کچھ جانتے ہی نہیں۔''

''تمہیں ضرور کسی نے میرے خلاف بہکایا ہے۔''

''کسی بھول میں مت رہنا مسٹر جنید یا کاشف' جو بھی ہو تم کیونکہ میں جانتی ہوں' کسی کو تم نے جنید بن کر برباد کیا اور کسی کی زندگی میں کاشف بن کر انگارے بھر دیے۔''

''ابھی تم میرے بارے میں جانتی ہی کیا ہو اگر وہ سب بتادوں تو تمہاری روح تک کانپ اٹھے۔''

مجھے جاننے کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔'' فریال نے تلخ لہجے میں بات کی اور پھر کاشف کے دیے ہوئے تحفوں سے بھرے شاپر اس کی طرف اچھالتے ہوئے چیخی۔ ''سنبھالو اپنی دی ہوئی وہ قیمتی اشیاء' جنہیں تم تحفے کا رنگ دے کر مجھے خریدنے چلے تھے مگر یہ بھول گئے تھے کہ سبھی لڑکیاں بکاؤ مال نہیں ہوتیں کچھ تمہاری چکنی چپڑی باتوں کو پیار جان کر تمہارے بہلاوے میں ضرور آجاتی ہوں گی' جس طرح میں تمہاری مکاری اور عیاری کو سمجھ نہ پائی اور راہ سے بھٹک گئی تھی۔''

''بس' بہت ہوگیا ڈرامہ۔'' کاشف نے غصے سے کہا تھا۔

''ڈرامہ تو اب تک تم کرتے رہے ہو' کیا میں پوچھ سکتی ہوں' تمہاری نظر میں یہی محبت ہے؟''

''محبت؟'' کاشف چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ سجاتے ہوئے بات کر رہا تھا ''کس محبت کی بات کر رہی ہو تم' یہاں کوئی کسی سے محبت نہیں کرتا۔ سب اپنے اپنے داؤ میں لگے ہوئے ہیں اگر تم میری باتوں کو محبت کا نام دے بیٹھی ہو تو یہ تمہاری اپنی سوچ ہے' اس میں میرا کوئی گناہ نہیں۔''

''بند کردو یہ سب کچھ' آخر کب تک معصوم اور بھولی بھالی لڑکیوں کی زندگیوں سے کھیلتے رہو گے' میری ایک بات یاد رکھنا' اگر تم اپنے ان کرتوتوں سے باز نہ آئے' تو میں آنٹی نازیہ کے سامنے تمہارے چہرے سے نقاب اتار پھینکوں گی۔''

''آنٹی......نازیہ۔'' کاشف نے آنٹی نازیہ کے نام پر زور دیتے ہوئے کہا اور بولا ''یہ شوق بھی پورا کرلو مگر کسی بھول میں نہ رہنا' تمہاری

آنٹی نازیہ کے ہی مہرے ہیں، ہم سب اور جو بھی کرتے ہیں، انہی کے حکم اور خواہش کے مطابق کرتے ہیں۔‘‘

’’کچھ تو شرم کرو‘ کیوں اس فرشتہ صفت خاتون پر کیچڑ اچھال رہے ہو؟‘‘

’’سو شیطان اکٹھے ہو جائیں تو ایک میڈم نازیہ بنتی ہے‘ جسے تم فرشتے کا درجہ دے رہی ہو‘ وہی تو ہے جو نوخیز کلیوں کا انتخاب کرتی ہے مگر میں حیران ہوں کہ تمہارے معاملے میں اس سے بھی کیسے بھول ہو گئی لیکن پھر سوچتا ہوں‘ اس میں اس کا بھی کوئی قصور نہیں‘ تم حسن کے معاملے میں مالا مال ہی اس قدر ہو کہ کوئی جانتے بوجھتے ہوئے بھی کہ تم شادی شدہ اور دو بچوں کی ماں ہو یقین کرنے کو تیار نہیں ہو گا۔‘‘

میڈم نازیہ کے بارے میں کاشف کے انکشافات نے فریال کو بری طرح ہلا ڈالا تھا‘ اس کے بدن میں کپکپی پھیل گئی تھی‘ قریب تھا کہ وہ چکرا کر گر پڑتی‘ اس لیے دانش نے جلدی سے آگے بڑھ کر اسے اپنی بانہوں میں تھام لیا تھا اور یوں وہ گرنے سے بچ گئی تھی۔ کاشف کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ وہ وہاں آتے ہوئے اپنے شوہر کو بھی ساتھ لائی ہو گی‘ مگر اسے اچانک اپنے سامنے پا کر بات بڑھ جانے کے خوف سے وہاں مزید رکے بغیر جلدی سے وہاں سے کھسک گیا تھا‘ دانش‘ فریال اور کاشف کے درمیان ہونے والی گفتگو سن کر جان چکا تھا کہ ان کا وہاں ٹھہرے رہنا خطرے سے خالی نہیں تھا‘ اس لیے وہ بھی فریال کو لیے وہاں سے نکل آیا تھا۔

......☆☆☆......

فریال نے ہونٹوں پر چپ کی مہر لگا لی تھی اور مسکرانا بھول گئی تھی‘ اسے کسی بھی چیز سے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی‘ وہ دانش کے بار بار اصرار پر کھانے کے کچھ نوالے زہر مار کرنے کے بعد کسی سے کوئی بات کیے بغیر بیڈ پر جا لیٹی تھی‘ عمر اور علی اس کے دائیں بائیں لیٹے تھے۔ وہ انہیں پیار سے گلے لگانے کی بجائے چھت کو گھورتی رہتی تھی‘ دانش سے اس کی یہ حالت دیکھی نہیں جاتی تھی‘ وہ اسے بہلانے کی ہر ممکن کوشش کرتا تھا‘ مگر کسی بھی طرح اس کی خاموشی کو توڑ نہیں پاتا تھا۔

بدنامی کا خوف فریال کے دل میں اس قدر گھر کر چکا تھا کہ وہ ہر وقت ڈری سہی رہنے لگی تھی‘ ہر پل اسے اس بات کا دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کہیں میڈم نازیہ‘ کاشف یا ان کے کارندے اسے یا اس کے بچوں کو کوئی نقصان نہ پہنچا دیں‘ وہ جانتی تھی کہ وہ لوگ اتنی آسانی سے اس کا پیچھا چھوڑنے والے نہیں تھے‘ مگر ان لوگوں کے ڈر کی وجہ سے کب تک گھر میں بیٹھا جا سکتا تھا‘ ایک راستہ یہ بھی تھا کہ ان کی طرف سے کوئی قدم اٹھائے جانے کا انتظار کرنے کی بجائے‘ ان کے خلاف کوئی قانونی کارروائی کی جائے‘ اس خیال کا دل میں آنا تھا کہ اس نے اپنے دل کو مضبوط کیا اور اس سلسلے میں دانش سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

’’دانش میں تم سے ایک بات کرنا چاہتی ہوں۔‘‘ فریال نے دانش کو اکیلے بیٹھے دیکھ کر بات کی تھی۔

’’ہاں بولو۔‘‘ دانش نے اپنی پوری توجہ فریال کی طرف لگاتے ہوئے کہا۔

’’میں سوچ رہی تھی کہ ہمیں ان لوگوں کے بارے میں پولیس کو رپورٹ لکھوانی چاہیے۔‘‘

’’کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو۔‘‘

’’اس سلسلے میں مجھے تمہارا ساتھ چاہیے۔‘‘

’’مجھے تم ہر قدم پر اپنے ساتھ ساتھ پاؤ گی......لیکن......‘‘

’’لیکن کیا؟‘‘

’’میں سوچ رہا تھا شاہد کو بھی اس سلسلے میں اعتماد میں لے لیتے ہیں‘ اس کے بہت سے جاننے والے پولیس میں ہیں۔‘‘

’’دیکھ لو اگر تم سمجھتے ہو کہ ایسا کرنا مناسب رہے گا تو اس سے بھی بات کر لو لیکن میری خواہش ہے کہ ان بدکردار لوگوں کو گریبان سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے عدالت لے جاؤں۔‘‘

’’تم فکر نہ کرو‘ میں ابھی شاہد سے بات کرتا ہوں۔‘‘ دانش نے فریال کو تسلی دیتے ہوئے کہا تھا۔

فریال نے دانش کی بات کا جواب دینے کی بجائے گردن ہلا دی تھی اور صوفے سے ٹیک لگا کر اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔

دانش نے شاہد کو آفس سے چھٹی کے بعد اپنے ہاں آنے کو کہا تھا‘ اس لیے وہ آفس سے گھر جانے کی بجائے سیدھا دانش کے ہاں پہنچ گیا تھا‘ دانش نے فون پر شاہد سے کوئی تفصیلی بات نہیں کی تھی‘ اس لیے وہ ابھی تک اسی شش و پنج میں تھا کہ اسے کون سی ضروری بات کرنے کے لیے بلایا گیا تھا‘ چائے وغیرہ سے فارغ ہو کر دانش اور شاہد ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے باتیں کرنے لگے تھے‘ جبکہ پاس ہی فریال گردن جھکائے

خاموش بیٹھی تھی۔
''یقیناً تم سوچ رہے ہو گے کہ میں تم سے ایسی کون سی بات کرنا چاہتا ہوں، جس کے لیے تمہیں یہاں بلایا ہے۔'' دانش نے شاہد کی طرف دیکھتے ہوئے بات کا آغاز کیا تھا۔
''سچ پوچھو تو جب سے تم نے فون پر بات کی ہے، تب سے میں اسی الجھن میں گرفتار ہوں کہ ایسی کون سی بات ہے، جو تم مجھے فون پر بتا نہیں پائے۔''
''یاد ہے تم نے ایک بار مجھے بتایا تھا کہ میرے کئی جاننے والے پولیس میں ہیں۔''
''ہاں بتایا تو تھا مگر تمہیں کیا ضرورت پڑ گئی؟''
''کچھ لوگ ایک عورت کی سربراہی میں معصوم لڑکیوں کو اپنے جال میں پھنسا کر کسی نہ کسی طرح ان کی تصاویر بنا لیتے ہیں اور پھر انہیں بلیک میل کرتے ہوئے ان کے جسموں کا سودا کرتے ہیں۔''
''وہ تو ٹھیک ہے مگر ان سے تمہارا کیا لینا دینا؟''
شاہد کے سوال پر فریال کے دل پر ایک بجلی سی گری تھی اور وہ بری طرح کانپنے لگی تھی، وہ جانتی تھی کہ اب اس کے سوال کے جواب میں دانش جو بات کرے گا اس کی وجہ سے شاید وہ زندگی بھر بھی شاہد سے تو کیا کسی اور سے بھی نظریں ملا نہیں پائے گی۔
''یہ سارا کچھ۔'' دانش نے اپنی بات ادھوری چھوڑ کر فریال کی طرف دیکھا تھا، جس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں لے لیا تھا، دانش نے اس کی بگڑتی ہوئی حالت دیکھ کر ایک لمبی سانس چھوڑی اور پھر سے بات کرنے لگا تھا۔
''یہ سارا کچھ...... فریال کی دوست اور کولیگ زارا کے ساتھ بھی ہو چکا ہے...... جس نے تنگ آ کر خودکشی کر لی تھی، وہ فریال کی بچپن کی دوست تھی، اس لیے اٹھتے بیٹھتے اس کے لبوں پر اسی کا ذکر رہتا ہے، ہم چاہتے ہیں کہ ان لوگوں کے خلاف پولیس میں رپورٹ درج کروا دیں، تا کہ وہ گرفتار ہوں اور کسی اور معصوم کی زندگی ان کے ہاتھوں برباد نہ ہو۔''
دانش کی بات سن کر فریال نے سر اٹھا کر اس کا بھرم رکھنے پر شکر گزار نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا، مگر لب پھر بھی خاموش تھے۔
شاہد نے دانش کی بات پوری توجہ سے سنی تھی، اس کے دل سے بھی یہی آواز اٹھی تھی کہ ایسے سنگ دل لوگوں کے کرتوت کو جانتے بوجھتے ہوئے بھی خاموشی اختیار کیے رکھنا گناہ عظیم تھا۔ اس برائی کو ختم کرنے کے لیے اگر وہ کسی کام آ سکتا تھا، تو اس میں حرج ہی کیا تھا۔
''جس علاقے کی تم بات کر رہے ہو اسی علاقے کے تھانے میں میرا دوست سب انسپکٹر ہے، ہم کل ہی اس سے مل لیتے ہیں، آج رات میں اس سے فون پر بھی بات کر لوں گا۔ امید ہے وہ ہمارے ساتھ بھرپور تعاون کرے گا۔'' کچھ دیر سوچنے کے بعد شاہد نے بات کی تھی۔
''سچ پوچھو تو یہ بہت بڑی نیکی ہو گی۔''
''بس تم بے فکر رہو...... خدا نے چاہا تو نیکی کا یہ کام ہمارے ہی ہاتھوں ہو گا۔'' شاہد نے دانش کو تسلی دیتے ہوئے کہا، پھر فریال کی طرف دیکھتے ہوئے بولا ''آپ بھی بے فکر ہو جائیں بھابی...... آپ کی دوست کے ساتھ زیادتی کرنے والے لوگ اب زیادہ دن تک قانون کی گرفت سے بچ نہیں پائیں گے۔''
فریال نے شاہد کی بات کے جواب میں محض گردن ہلا دی تھی، کیونکہ اگر وہ کوئی بات کرتی تو اس کی آنکھوں میں بھرے ہوئے آنسو چھلک پڑتے، اسے خود پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا، اس لیے وہ وہاں سے اٹھ کر بیڈ پر جا لیٹی تھی اور اپنی آنکھوں میں آئے ہوئے آنسوؤں کو بہنے دیا تھا، فریال کے وہاں سے اٹھ جانے کے بعد بھی دانش اور شاہد کے درمیان اسی موضوع پر گفتگو ہوتی رہی۔
''ایک سوال کافی دیر سے مجھے پریشان کر رہا ہے...... اگر کہو تو پوچھوں؟'' شاہد نے باتوں کے درمیان ذرا سا وقفہ پاتے ہی انتہائی محتاط انداز میں بات کی تھی۔
''جو پوچھنا چاہتے ہو پوچھ لو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔''
''وہ...... وہ اس روز...... جو میں نے گاڑی والے نوجوان کی بات کی تھی...... کیا تم نے اس سلسلے میں بھابی سے پوچھا تھا؟'' شاہد نے ڈرتے ڈرتے رک رک کر سوال کیا تھا۔
شاہد کے سوال پر دانش کے پسینے چھوٹ گئے تھے، مگر اس نے کمال ہوشیاری سے اپنی حالت شاہد پر ظاہر نہیں ہونے دی تھی اور فوری طور پر

خود کو نارمل کرتے ہوئے بولا تھا۔ ’’وہ تو فریال کے آفس کی ہی گاڑی تھی اور وہ نوجوان بھی اس کا کولیگ تھا...... ان کے باس نے ہی دو چار بار انہیں کسی سلسلے میں آفس سے باہر بھیجا تھا۔‘‘

دانش کی بات سن کر شاہد نے مزید کوئی سوال نہیں کیا تھا اور کچھ دیر بعد وہاں سے نکل گیا تھا۔

پروگرام کے مطابق انسپکٹر سے ملاقات کے لیے گھر سے نکلتے ہوئے فریال نے بھی ساتھ جانے کو کہا تھا‘ لیکن دانش کو فریال کا ساتھ جانا کچھ مناسب نہیں لگتا تھا‘ اس لیے اس کے کہنے پر فریال نے جانے کے لیے زیادہ ضد نہیں کی تھی‘ دانش اور شاہد انسپکٹر کے سامنے جا بیٹھے تھے اور پھر انسپکٹر کے دریافت کرنے پر میڈم نازیہ اور اس کے طریقہ واردات کے بارے میں تمام تر تفصیل بیان کر ڈالی تھی‘ مگر اس نے اپنی باتوں میں کہیں بھی فریال کا نام نہیں لیا تھا۔

’’ذاتی طور پر تو مجھے آپ کی باتوں کی سچائی سے کوئی انکار نہیں‘ لیکن قانون ہر معاملے میں ثبوت مانگتا ہے‘ یہ بات آپ کے علم میں بھی یقیناً ہوگی کہ میڈم نازیہ اس علاقے کی ان چند خواتین میں سے ایک ہیں‘ جن کا نام سوشل حوالوں سے انتہائی احترام سے لیا جاتا ہے‘ اگر ہم محض سنی سنائی باتوں کو بنیاد بنا کر ان پر ہاتھ ڈالیں گے تو ایک ایسا طوفان اٹھ کھڑا ہوگا‘ جسے سنبھالنا ہمارے لیے انتہائی مشکل ہو جائے گا‘ ویسے بھی اس کے تعلقات جس لیول تک ہیں‘ کوئی بھی ان کے خلاف کسی قسم کا بھی ایکشن لینے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔‘‘ دانش کی بات بغور سننے کے بعد انسپکٹر نے جواب دیا تھا۔

’’میں یہ کیسے مان لوں کہ جس علاقے میں ایک منظم گروہ‘ نوجوان اور بھولی بھالی لڑکیوں کو بلیک میل کر کے ان سے جسم فروشی کا کام لیتا ہو اور علاقے کی انتظامیہ اس سے بے خبر ہو۔‘‘ دانش نے قدرے تلخی سے بات کی تھی۔

’’میرا تو خیال تھا کہ آپ تعلیم یافتہ اور سمجھدار شخص ہیں‘ میری باتوں کی گہرائی تک پہنچ گئے ہوں گے‘ لیکن آپ پھر بھی اپنی بات پر بضد ہیں مگر اس سلسلے میں مجھے جو کہنا تھا‘ وہ میں نے کہہ دیا‘ آپ چاہیں تو اپنی تسلی کے لیے ایس پی یا ایس ایس پی صاحب سے مل کر دیکھ لیں۔‘‘ بات کرتے ہوئے انسپکٹر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا اور ٹیبل سے اپنی کیپ اٹھا کر سر پر رکھتے ہوئے بولا۔ ’’مجھے کسی ملزم کی گرفتاری کے لیے جانا ہے‘ اس لیے اجازت چاہوں گا۔‘‘

انسپکٹر کے اٹھتے ہی ان دونوں نے بھی اپنی اپنی کرسیاں چھوڑ دی تھیں اور تھانے سے باہر نکل آئے تھے۔

’’تم تو کہتے تھے انسپکٹر میرا بہت اچھا دوست ہے‘ مگر اس نے تو ہماری بات کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی۔‘‘ دانش نے تھانے سے نکلتے ہی شاہد سے شکوہ کیا۔

’’جو بات آج اس نے تمہارے سامنے کی ہے‘ وہی بات اس نے مجھے رات کو فون پر بھی کہہ دی تھی‘ مگر تمہاری تسلی کے لیے‘ میں وہ باتیں تمہیں اس کے منہ سے سنوانا چاہتا تھا اسی لیے میں نے انسپکٹر کے انکار کے باوجود تمہیں اس کے سامنے لا بٹھایا تھا جاننا ہی چاہتے ہو تو سنو! انسپکٹر نے مجھے رات کو ہی اس معاملے میں خاموش رہنے کو کہا تھا...... اس کا کہنا تھا کہ میڈم نازیہ کی مٹھی میں ایسے ایسے بااثر افراد کی جان قید ہے کہ اگر کسی نے بھولے سے بھی اس کی طرف ہاتھ اٹھایا تو وہ اسے تباہ و برباد کر ڈالے گی۔‘‘

شاہد کی بات نے دانش کو مزید مایوس کر ڈالا تھا‘ اس لیے وہ کوئی بات کرنے کی بجائے خاموشی سے گردن جھکائے کھڑا تھا‘ مگر اگلے ہی لمحے اس کی خاموشی کو زبان مل گئی تھی اور وہ ہمت کر کے بولا تھا ’’کیوں ناں ہم ایس پی صاحب سے بات کر کے دیکھ لیں؟‘‘

’’ہاں...... حرج تو کوئی نہیں...... مگر۔‘‘

’’بس اب کوئی اگر مگر نہیں‘ یہاں سے ہم سیدھے ایس پی صاحب کے آفس جائیں گے۔‘‘ دانش نے دوٹوک لہجے میں بات کی تھی۔

شاہد کو دانش کی بات سے اتفاق نہیں تھا مگر اس نے کسی بحث میں الجھے بغیر اپنا رخ ایس پی آفس کی طرف موڑ لیا تھا۔

ایس پی صاحب سے ملنا آسان کام نہیں تھا‘ مگر یہاں بھی شاہد کے تعلقات کام آئے اور ایس پی صاحب سے ملاقات کا وقت مل گیا تھا‘ دانش نے ان کے سامنے بھی وہ تمام باتیں دہرائی تھیں‘ جو وہ اس سے قبل انسپکٹر کو بتا چکا تھا۔

’’ویسے آج تک ہمیں میڈم نازیہ کے بارے میں کسی نے بھی کبھی کوئی ایسی شکایت نہیں لکھوائی اور نہ ہی ہمیں کوئی ایسی رپورٹ ہی ملی ہے لیکن آپ اطمینان رکھیں‘ اگر ایسا کچھ ہوا‘ جیسا آپ کہہ رہے ہیں‘ تو ان کے تعلقات جتنے بھی اوپر تک ہوں‘ قانون کی گرفت سے نہیں بچ پائیں گی۔‘‘ ایس پی صاحب نے تمام باتیں بغور سننے کے بعد یقین دہانی کرواتے ہوئے کہا تھا۔

ایس پی صاحب کی باتوں نے دانش کو ذہنی طور پر مطمئن کر ڈالا تھا‘ اس لیے اس نے ان سے زیادہ بحث نہیں کی تھی اور دونوں دوست وہاں سے نکل آئے تھے اور پھر باہر آ کر اپنے اپنے گھروں کی جانب چل پڑے تھے۔

دانش گھر پہنچا تو فریال اس کے انتظار میں بیٹھی تھی‘ فریال چاہتی تھی کہ وہ ایک ہی سانس میں وہ تمام باتیں بتا ڈالے جو وہ انسپکٹر سے کر کے آیا تھا‘ جبکہ دانش تھکا ہارا گھر لوٹا تھا اور کچھ دیر کے لیے آرام کرنا چاہتا تھا‘ مگر اس سے فریال کی بے قراری دیکھی نہیں جاتی تھی‘ اس لیے اس نے انسپکٹر اور ایس پی سے ہونے والی تمام تر گفتگو فریال کو سنا ڈالی تھی گو کہ دانش ایس پی صاحب کی باتیں سن کر انتہائی مطمئن ہو کر گھر لوٹا تھا مگر فریال جان گئی تھی کہ پولیس میڈم نازیہ کے خلاف کسی قسم کا کوئی بھی ایکشن نہیں لے گی‘ مگر اس نے اپنے اندر کی بات زبان پر نہیں آنے دی تھی اور خاموشی اختیار کر لی تھی۔

وقت نے فریال کے ساتھ عجیب سنگین مذاق کیا تھا‘ وہ جانتی تھی کہ میڈم نازیہ اتنی آسانی سے خاموش نہیں بیٹھے گی‘ کسی بھی دن بدنامی کا داغ اس کے ماتھے پر اس طرح لگ جائے گا جو کسی طرح ڈھل نہیں پائے گا‘ پولیس کی طرف سے مایوس ہونے پر اس نے میڈم نازیہ کو بے نقاب کرنے کی مکمل منصوبہ بندی کر لی تھی‘ انتہائی بھاگ دوڑ اور تلاش کے بعد بمشکل وہ کچھ ایسی لڑکیوں تک پہنچ پائی تھی‘ جو میڈم نازیہ کی مکارانہ چالبازیوں کا نشانہ بنی تھیں‘ وہ انہیں ساتھ لے کر کسی اعلیٰ عہدے دار کے پاس جانا چاہتی تھی‘ مگر مزید بدنامی کے خوف سے ان میں سے کوئی بھی لڑکی اس کے ساتھ چلنے کو تیار نہیں ہوئی تھی۔

وہ میڈم نازیہ کا شکار ہونے والی لڑکیوں کی تلاش میں جہاں بھی گئی‘ وہیں اسے دل ہلا دینے والی ایک نئی داستان سننے کو ملی تھی‘ ان میں سے کسی کی منگنی ٹوٹ گئی تھی‘ کسی کا ہنستا بستا گھر اجڑ گیا تھا‘ کسی نے موت کو گلے لگا لیا تھا اور کسی کے والدین نے خودکشی کر لی تھی‘ کئی لڑکیاں لوگوں کے چبھتے ہوئے سوالوں کا سامنا کرنے سے بچنے کی غرض سے گھر میں قید ہو کر رہ گئی تھیں‘ کچھ ایسی بھی تھیں‘ جنہوں نے اسی پیشے کو اپنا لیا تھا اور اپنے جسم کو فروخت کرنے سے ہونے والی آمدن سے اپنے گھر والوں کا پیٹ پالنے لگی تھیں‘ گھر والوں کی ضروریات با آسانی پوری ہو رہی تھیں‘ اس لیے انہوں نے اپنی آنکھیں بند کر رکھی تھیں اور کبھی بھولے سے بھی اپنی بیٹی سے یہ سوال نہیں کیا تھا کہ وہ رقم کہاں سے آتی تھی۔

ہاتھ میں آیا ہوا شکار چھوٹ جانے پر میڈم نازیہ خاموش بیٹھنے والی کہاں تھی‘ اس نے وہی کچھ کیا تھا‘ جس کے لیے اسے پہلے سے ڈرایا دھمکایا جاتا رہا تھا‘ دانش گھر کے لیے کچھ ضروری اشیاء کی خریداری کے لیے باہر نکلا تھا‘ مگر وہ جہاں سے گزرتا تھا‘ لوگ عجیب نظروں سے اسے دیکھ کر اشارے کرتے ہوئے محسوس ہوتے تھے‘ لوگوں کے رویے نے اسے پریشان کر ڈالا تھا‘ اسے سمجھنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی‘ وہ جان گیا تھا کہ کچھ تو ایسا ضرور ہوا ہے‘ جو لوگ اسے چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے‘ وہ راہ چلتے ہوئے کسی سے بھی نظریں ملا نہیں پا رہا تھا‘ اس کی نگاہیں اس خوف سے زمین میں گڑی ہوئی تھیں کہ راہ چلتے کہیں کوئی جان پہچان والا اسے روک کر کوئی سوال نہ کر ڈالے‘ اس کے پاؤں منوں بھاری ہو گئے تھے‘ مگر پھر بھی وہ جیسے تیسے قدم اٹھاتا ہوا آہستہ آہستہ بازار کی طرف بڑھ رہا تھا‘ پھر اچانک ایک آواز اس کے کانوں کے پردوں سے ٹکرائی تھی۔ ”دیکھنے میں تو بہت شریف لگتا تھا‘ مگر آج پتہ چلا کہ گھر بیٹھ کر بیوی کے جسم کی کمائی پر عیش کرتا ہے۔“ جیسے ہی اس کے کانوں میں اس قسم کی آوازیں پڑیں تو اس کے پاؤں مزید بوجھل ہوتے چلے گئے اور اس کے لیے ایک قدم بھی اٹھانا دشوار ہو گیا تھا‘ آگے بڑھنا ناممکن دکھائی دے رہا تھا‘ اس لیے اس نے واپسی کا ارادہ کر لیا اور جیسے تیسے گھر لوٹ آیا۔

”تم تو بازار سے کچھ سامان لینے گئے تھے‘ پھر خالی ہاتھ کیوں لوٹ آئے؟“ فریال نے دانش کے گھر میں داخل ہوتے ہی سوال کیا۔

”پھر کبھی لے آؤں گا۔“ دانش نے فریال کو ٹالنے کی کوشش کی۔

”تم ٹھیک تو ہو ناں؟“ دانش کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر فریال نے بے چین ہو کر دریافت کیا۔

”تم تو خوامخواہ پریشان ہو رہی ہو۔“

”کسی اور سے تو شاید تم خود کو چھپا بھی لو‘ مگر تم خود کو مجھ سے نہیں چھپا سکتے۔ سچ سچ بتاؤ‘ ہوا کیا ہے۔“

دانش‘ فریال کی عادت سے اچھی طرح واقف تھا کہ جب تک وہ اس سے بات اگلوا نہیں لے گی‘ تب تک چین سے نہیں بیٹھے گی‘ اس لیے اسے وہ سب کچھ بتانا پڑا‘ جسے چھپانے کے لیے وہ ہر ممکن کوشش کر رہا تھا‘ دانش کی بات سن کر فریال کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے اور وہ صوفے پر ڈھیر ہو گئی تھی‘ اس کی رنگت پیلی پڑ گئی تھی اور جسم بری طرح کانپ رہا تھا۔

”کاش...... میں یہ دن دیکھنے سے پہلے مر گئی ہوتی۔“ فریال نے روتے ہوئے کہا تھا۔

''اس طرح رونے دھونے سے کچھ حاصل ہونے والا نہیں، تمہیں خود کو سنبھالنا ہوگا۔ جب میں تمہارے ساتھ ہوں، تو پھر پریشانی کیسی؟''
دانش نے فریال کا حوصلہ بڑھانے کے لیے بات کی تھی، ورنہ وہ بھی پوری طرح ٹوٹ چکا تھا۔
''پھر تمہیں مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہوگا۔''
''کیسا وعدہ؟''
''ہماری زندگی میں کیسا بھی طوفان آ جائے، تم میرا ساتھ نہیں چھوڑو گے۔''
''اچھا ساتھی وہ نہیں ہوتا، جو زندگی کی کشتی کامیابی سے رواں دواں ہو تو ساتھ ہو، مگر جیسے ہی کشتی کسی طوفان میں گھرتی ہوئی دکھائی دینے لگے تو وہ ساتھ چھوڑ جائے۔ جب تم اچھے برے وقت میں میرا ساتھ نبھاتی آئی ہو، تو میں بھلا تمہارے برے وقت میں تمہیں تنہا کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔''
''میں میڈم نازیہ سے ملنا چاہتی ہوں۔''
''اب ہمیں ان سے مل کر کیا کرنا...... وہ جو کر سکتے تھے، انہوں نے کر لیا...... تم کہو تو تمہاری خاطر میں یہ گھر، یہ محلّہ، یہ شہر بھی چھوڑ سکتا ہوں۔''
''میں جانتی ہوں، وہ لوگ بہت پہنچ والے ہیں، لیکن معصوم اور بھولی بھالی لڑکیاں کب تک ان کے ہاتھوں میں کھلونا بنتی رہیں گی، کسی کو تو آگے آنا ہوگا، کسی کو تو اس برائی کو روکنے کے لیے پہلا قدم اٹھانا ہوگا، ورنہ جانے کب تک فرار کی کوئی راہ نہ پا کر مجبور و بے بس نوجوان لڑکیاں موت کو گلے لگاتی رہیں گی۔''
''تم برائی کے خلاف پہلا قدم اٹھاؤ، کوئی اور ساتھ ہو نہ ہو، میں ہر قدم پر سائے کی طرح تمہارے ساتھ ہوں گا۔''
دانش کی باتوں نے فریال کو حوصلہ دیا تھا، اس کے آنسوؤں میں مزید تیزی آ گئی تھی، اس لیے وہ دانش کی بات کا کوئی جواب دے نہیں پائی تھی۔

......☆☆☆......

دل کے اندر ہونے والی ٹوٹ پھوٹ نے فریال کو رات بھر ایک پل کے لیے بھی سونے نہیں دیا تھا، میڈم نازیہ کے جس وار سے اب تک وہ خوف زدہ تھی، وہ وار چل چکا تھا، اس لیے اب وہ با آسانی میڈم نازیہ کا سامنا کر سکتی تھی، اس نے کسی نہ کسی طرح میڈم نازیہ کے متعلق بہت سی معلومات حاصل کر لی تھیں، میڈم نازیہ سے ملاقات کے لیے اس نے ایسے وقت کا انتخاب کیا تھا، جب وہ بلا روک ٹوک جب تک چاہے اس سے بات کر سکتی تھی، وہ گھر کے اندر میڈم نازیہ کے پاس تنہا گئی تھی اور جان بوجھ کر دانش کو گھر سے کچھ فاصلے پر انتظار کرنے کو کہا تھا۔
فریال کو دیکھتے ہی میڈم نازیہ کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ رقص کرنے لگی تھی۔ ''میں جانتی تھی، تم میرے ایک چھوٹے سے وار کو بھی برداشت نہیں کر پاؤ گی۔'' میڈم نازیہ نے فریال کو سامنے پا کر اپنی کامیابی پر جھومتے ہوئے کہا تھا۔
''یہ تمہاری بھول ہے، اس بھول کو اپنے دل سے نکال دو کہ میں تمہارے کسی خوف یا ڈر کی وجہ سے یہاں آئی ہوں گی۔ میں تو یہاں اس لیے آئی تھی کہ ذرا دیکھوں تو سہی، ایک عورت دوسری عورت کے لیے ذلت اور رسوائی کا سامان پیدا کر کے کس قدر خوشی محسوس کرتی ہے۔''
فریال نے بلاخوف میڈم نازیہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر حوصلے سے بات کی تھی۔
''یہ تو تم جان ہی گئی ہو گی کہ یہ میرا بزنس ہے اور بزنس میں کامیاب وہی ہوتا ہے، جو مارکیٹ کی ڈیمانڈ کو دیکھتے ہوئے ایسی جنس کا کاروبار کرے، جو ہاتھوں ہاتھ بک جائے اپنے اس کاروبار کی کامیابی کے لیے مجھے جو بھی قدم اٹھانا پڑا، میں نے اٹھایا جو بھی گر آزمانا پڑا، میں نے آزمایا، یہی وجہ ہے کہ سارے شہر کے نام نہاد شرفاء میڈم نازیہ کی دہلیز پر اپنا ماتھا رگڑتے ہیں۔''
''تم عورت ہو کر عورت کی تذلیل کا سامان پیدا کرتی ہو؟''
''میں عورت بن کر نہیں، ایک بزنس ویمن بن کر سوچتی ہوں اور ہمیشہ وہی کرتی ہوں، جس میں میرا فائدہ ہو اور میرا کاروبار ترقی کرے، میں پہلے انویسٹمنٹ کرتی ہوں اور جس قدر ضرورت پڑے رقم خرچ کرتی ہوں، تب کہیں جا کر مجھے ریٹرن ملنے لگتا ہے۔''
''میں حیران ہوں، دوسروں کی بیٹیوں کے جسموں کا سودا کرتے ہوئے، تمہارا دل کیوں نہیں کانپتا، تمہارا جگر ٹکڑے ٹکڑے کیوں نہیں ہو جاتا۔''
''زبان کو لگام دو لڑکی...... کیا تھانوں کے چکر لگانے کے بعد بھی تمہیں میری طاقت اور پہنچ کا اندازہ نہیں ہوا؟''

''واہ! کیا اندازِ گفتگو ہے' میں تو تمہاری قلابازیوں کو دیکھ کر حیران ہو رہی ہوں' کل تک تو میں بیٹی تھی اور آج اچانک بیٹی کے مرتبے سے گر کر عام سی لڑکی بن گئی ہوں۔''

''اس سے پہلے کہ میں کچھ کر بیٹھوں' تمہارے لیے بہتر ہوگا کہ یہاں سے نکل جاؤ مگر جاتے جاتے یہ سنتی جانا کہ تمہارے لیے اب دو ہی راستے ہیں' جن میں سے ایک راستہ قبرستان کی طرف جاتا ہے اور دوسرا تمہیں مجھ تک پہنچا سکتا ہے اب فیصلہ تم نے کرنا ہے' زندگی چاہیے یا موت'' میڈم نازیہ نے اپنی بات مکمل کی اور فریال کا جواب سنے بغیر وہاں سے اٹھ کر چلی گئی تھی۔

فریال نے میڈم نازیہ کا اصل چہرہ دیکھ لیا تھا اور یہ سوچ کر کسی گہرائی میں ڈوبتی چلی گئی تھی کہ انسانوں نے اپنے چہروں پر کیسے کیسے نقاب چڑھا رکھے تھے' کوئی ان کا اصلی چہرہ بمشکل ہی دیکھ پاتا تھا' وہ اس قدر خیالوں کی دنیا میں کھوئی ہوئی تھی کہ اسے احساس بھی نہ ہوا کہ کب ایک شخص ہاتھ میں پمپ ایکشن پکڑے اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا' اسلحہ بردار شخص کو دیکھ کر فریال کے پورے بدن میں سنسنی پھیل گئی تھی اور وہ اچھل کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''بی بی یہاں سے نکل جاؤ ورنہ میڈم ہم سے ناراض ہوں گی۔'' اسلحہ بردار شخص نے رعب دار آواز میں فریال کو حکم دیا تھا۔

فریال وہاں رک کر کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتی تھی' اس لیے کسی احتجاج کے بغیر وہاں سے چل پڑی تھی۔

''اور بی بی جاتے جاتے ایک بات اور سنتی جاؤ۔''

اسلحہ بردار شخص کی آواز فریال کے کانوں سے ٹکرائی تو وہ چلتے چلتے رک گئی تھی۔

''میڈم کا کہنا ہے کہ آج تو تم یہاں سے زندہ واپس جا رہی ہو' لیکن آج کے بعد پھر کبھی اس گھر کے آس پاس بھی دکھائی دو تو تمہیں گولی مار دی جائے۔'' اسلحہ بردار شخص نے اپنی سرخ اور گول گول آنکھوں کو گھماتے ہوئے خبردار کیا تھا۔

فریال اس شخص کی بات مکمل ہوتے ہی وہاں سے نکل کر تیزی سے باہر آ گئی تھی' جہاں دانش پریشانی کے عالم میں بے چینی سے اس کے انتظار میں کھڑا تھا۔

......☆☆☆......

فریال جس بے قراری کی سی کیفیت سے گزر رہی تھی' اسے کسی بھی طرح قرار نہیں آ رہا تھا' وہ اٹھتے بیٹھتے خیالوں میں گم رہنے لگی تھی' اس کا موبائل اس کے پاس ہی بیڈ پر پڑا تھا' کتنی ہی دیر سے موبائل پر بیل ہو رہی تھی' مگر اس نے فون اٹینڈ نہیں کیا تھا' فون کرنے والا بیل ختم ہونے پر پھر سے نمبر ملاتا اور یوں ایک بار پھر موبائل بج اٹھتا تھا' کافی دیر کے بعد فریال کو احساس ہوا تھا کہ اس کے موبائل کی بیل بج رہی تھی' احساس ہونے پر اس نے موبائل اٹھا کر دیکھا تو کسی انجانے نمبر سے کال آ رہی تھی' ابھی وہ اسی سوچ میں الجھی ہوئی تھی کہ فون اٹینڈ کرے یا نہ کرے کہ فون بند ہو گیا تھا' اس نے موبائل پر دیکھا تو پانچ مس کالز آئی ہوئی تھیں۔

ابھی وہ کال کرنے والے کے بارے میں سوچ ہی رہی تھی کہ ایک بار پھر موبائل پر بیل ہونے لگی تھی' اس بار فریال نے بیل ہوتے ہی فون اٹینڈ کر کے کان کو لگا لیا تھا' مگر زبان سے کچھ نہیں بولی تھی۔

''اگر آپ میڈم نازیہ سے ملنا چاہتی ہیں تو کسی بھی روز نیشنل اسپتال میں مل سکتی ہیں' وہ ہر روز شام پانچ بجے وہیں ہوتی ہیں۔'' نسوانی آواز میں اسے پیغام دیا گیا تھا' اور اس کی طرف سے کوئی بھی سوال اٹھانے سے پہلے ہی فون کاٹ دیا گیا تھا۔

موبائل پر ملنے والے پیغام نے فریال کو الجھا کر رکھ دیا تھا' وہ سوچنے لگی تھی کہ آخر اس کا ایسا کونسا ہمدرد تھا' جس نے میڈم نازیہ کے بارے میں اسے اطلاع دی تھی' وہ اس پہلو پر بھی غور کرنے لگی تھی کہ کہیں یہ میڈم نازیہ کی کوئی چال ہی نہ ہو' جس نمبر سے فون کیا گیا تھا' اپنی تسلی کے لیے اس نے اس نمبر پر کال بیک کرنے کی کوشش کی تھی مگر وہ کسی کال سنٹر کا نمبر تھا۔

فریال نے انتہائی سوچ بچار کے بعد فیصلہ کیا تھا کہ وہ ایک بار اپنی تسلی کے لیے' بتائے ہوئے وقت پر نیشنل اسپتال ضرور جائے گی' مگر وقت مقررہ سے قبل وہ ایک بار وہاں جا کر اسپتال کے اردگرد کا جائزہ لے لینا چاہتی تھی' تھوڑی ہی دیر میں وہ جان گئی تھی کہ اسپتال زیادہ بڑا نہیں تھا' اسپتال کے اندر جانے اور باہر آنے کا ایک ہی راستہ تھا' پانچ بجنے میں ابھی کچھ وقت تھا جب وہ مکمل جائزہ لینے کے بعد فارغ ہو کر اسپتال کے مین گیٹ سے تھوڑا سا ہٹ کر ایک ایسی جگہ پر آ بیٹھی تھی جہاں سے وہ اسپتال کے اندر آنے جانے والوں پر باآسانی نظر رکھ سکتی تھی' جیسے جیسے گھڑی کی سوئی پانچ بجے کی طرف بڑھ رہی تھی' اسی قدر اس کے دل کی دھڑکنوں کی رفتار بھی بڑھتی جا رہی تھی۔

ادھر گھڑی نے پانچ بجائے ادھر ایک گاڑی پارکنگ ایریا میں آ کر رکی تھی' فریال کی نظر اس گاڑی پر جا ٹھہری تھی' جس میں ڈرائیونگ سیٹ پر میڈم نازیہ بیٹھی تھی' پیغام رساں کا پیغام سچ ثابت ہوا تھا' لیکن وہ سوچنے لگی تھی کہ آخر میڈم نازیہ اس اسپتال میں ہر شام کیا کرنے آتی تھی' وہ اسی ادھیڑ بن میں لگی ہوئی تھی کہ میڈم نازیہ گاڑی سے نکل کر اسپتال کے اندر چلی گئی تھی' وہ تیزی سے اس کے پیچھے گئی تھی مگر تب تک بہت دیر ہو چکی تھی اور میڈم نازیہ کہیں دکھائی نہیں دی تھی' اس نے اپنے طور پر اسے تلاش کرنے کی کوشش کی تھی مگر ناکام رہی تھی' اس لیے مایوس ہو کر کچھ دیر بعد ہی گھر لوٹ آئی تھی۔

اگلے روز شام کے پانچ بجنے کا انتظار اس نے انتہائی شدت سے کیا تھا' اسی لیے وہ چوبیس گھنٹے سولی پر لٹکنے جیسی کیفیت میں گزرے تھے اب کی بار اس نے باہر کھڑے ہو کر انتظار کرنے کی بجائے اسپتال کے اندر داخل ہو کر ایسی جگہ کا انتخاب کیا تھا' جہاں سے وہ میڈم نازیہ کو دیکھ کر با آسانی اس کے پیچھے پیچھے چلتی ہوئی اس کی منزل تک با آسانی جا سکتی تھی' حیران کن بات تھی کہ اس روز بھی اسپتال میں کام کرنے والے کسی وقت کے پابند ملازم کی طرح ٹھیک پانچ بجے میڈم گیٹ سے داخل ہو رہی تھی' وہ جیسے ہی تھوڑا سا آگے بڑھی' فریال بھی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی تھی۔

میڈم نازیہ راہ داری سے گزرتی ہوئی چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی' راہ داری کے دونوں طرف کمرے تھے' جن کے دروازوں پر ان کے نمبر تحریر تھے' وہ ایک کمرے کے دروازے پر جا کر رک گئی تھی' پھر اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئی تھی' فریال نے آگے بڑھ کر دیکھا تو دروازے پر مریضہ کا نام امبر لکھا ہوا تھا' فریال کے لیے کمرے کے اندر جانا ممکن نہیں تھا' اس لیے وہ وہیں کھڑی اس گتھی کو سلجھانے میں لگ گئی تھی کہ کمرے میں وہ کون تھا' جس کے لیے میڈم نازیہ باقاعدگی سے اسپتال آتی تھی' فریال سوچتے سوچتے بے خیالی میں اس کمرے کی کھڑکی کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی' جس میں کچھ دیر قبل میڈم نازیہ گئی تھی' اس نے کھڑکی کا پردہ سرکنے کی آواز سنی تھی' اس لیے پھرتی سے کھڑکی کے سامنے سے ہٹ گئی تھی۔

وہ کچھ دیر تک وہیں دیوار سے لگی کھڑی رہی تھی' پھر کمرے کا جائزہ لینے کے لیے اس نے محتاط انداز سے کھڑکی سے جھانک کر اندر دیکھا تھا' وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی تھی کہ وہاں بیڈ پر ایک معصوم سی شکل و صورت کی نوجوان لڑکی لیٹی تھی' اس کے پاس ہی میڈم نازیہ کرسی پر بیٹھی تھی' اس نے لڑکی کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے رکھا تھا اور ادھر ادھر سے بے خبر اس کے چہرے کو دیکھے جا رہی تھی' وہ کچھ دیر تک وہیں کھڑی اندر کا منظر دیکھ کر کچھ سمجھنے کی کوشش کرتی رہی تھی' مگر جب اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو وہاں سے واپس آ گئی۔

......☆☆☆......

دانش کے سمجھانے کے باوجود بھی کچھ روز تک فریال آفس جانے کے لیے رضامند نہیں ہوئی تھی' لیکن جب بلا وجہ روز روز گھر سے نکلنا مشکل ہوا تو وہ بے دلی سے سہی مگر باقاعدگی سے آفس جانے لگی تھی' اس نے اپنی عادت بنا لی تھی کہ آفس سے نکل کر اسپتال پہنچ جاتی اور کمرے کی کھڑکی کے سامنے کھڑی کمرے کے اندر کے ماحول کا جائزہ لیتی رہتی تھی' اس نے جب بھی دیکھا تھا' میڈم نازیہ کو امبر کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے آنسو بہاتے دیکھا تھا' وہ گھنٹوں اس کے پاس بیٹھی آنسو بہائے جاتی تھی' پھر جب رو رو کر تھک جاتی تو خاموشی سے اٹھتی اور امبر کا ماتھا چوم کر کمرے سے باہر نکل جاتی تھی' پریشان کن بات یہ تھی کہ فریال نے ان دونوں کو آپس میں کبھی بھی بات کرتے نہیں دیکھا تھا۔

فریال الجھ کر رہ گئی تھی' لگاتار کئی روز تک وہاں آنے کے باوجود وہ میڈم نازیہ اور اس خوب صورت دوشیزہ کے تعلق کو سمجھ نہیں پائی تھی' اس لیے اس نے کسی نہ کسی بہانے کسی نرس یا ڈاکٹر کے ذریعے میڈم نازیہ اور امبر کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا پروگرام بنا لیا تھا۔

''ڈاکٹر صاحب! اگر میں غلطی پر نہیں تو کمرہ نمبر 108 میں میڈم نازیہ ہی کسی مریضہ سے ملنے آتی ہیں ناں؟'' موقعہ پا کر معلومات حاصل کرنے کی غرض سے فریال نے بات کی تھی۔

''آپ میڈم نازیہ کو جانتی ہیں؟'' ڈاکٹر نے فریال کے سوال کا جواب دینے کی بجائے اسے سوال کر ڈالا تھا۔

''انہیں کون نہیں جانتا۔'' فریال نے جان بوجھ کر گول مول بات کی تھی۔

''کمرہ نمبر 108 میں جو امبر نام کی مریضہ ہے' وہ میڈم نازیہ کی بیٹی ہے۔''

''بیٹی؟''

''جی ہاں! ان کی اپنی بیٹی' وہ پچھلے دو سال سے یہاں زیر علاج ہے اس کی آنکھیں تو حرکت کرتی ہیں مگر لب خاموش ہیں۔ وہ مجبوری و بے

بسی کی زندہ مثال ہے، وہ نہ بول سکتی ہے، نہ کچھ کھا پی سکتی ہے اور نہ ہی اٹھ کر چل پھر سکتی ہے۔ وہ ایک ایسی زندہ لاش ہے، جس کی سانسیں چل رہی ہیں۔''

''کیا وہ پیدائش سے ہی اس حال میں ہے؟''

''نہیں، امبر کی یہ حالت اس حادثے کے بعد ہوئی تھی، جس میں میڈم نازیہ کا شوہر اور بیٹا اپنی جان گنوا بیٹھے تھے۔''

امبر کے بارے میں جان کر فریال کو دلی دکھ ہوا تھا، اس لیے اس کی آنکھوں میں نمی آ گئی تھی، مگر وہ یہ سوچ کر مسکرائے بغیر نہ رہ سکی تھی کہ وہ عورت جو زمانے کو اپنی انگلیوں کے اشاروں پر نچانے کے دعوے کرتی ہے، بیٹی کے معاملے میں کس قدر بے بس تھی۔

''بہت دکھ ہوتا ہے ناں بیٹی کو دیکھ کر؟'' میڈم نازیہ کو بیٹی کے کمرے سے نکل کر جاتے ہوئے دیکھ کر فریال نے اس کے قریب ہوتے ہوئے بات کی تھی۔

''تم؟'' فریال کی آواز کان میں پڑتے ہی میڈم نازیہ نے پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے حیران ہو کر کہا تھا۔

''ہاں میں۔''

''مگر تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' میڈم نازیہ کی حیرانی ابھی تک برقرار تھی۔

''قدرت کا کھیل دیکھ رہی ہوں۔''

''میرے غضب سے ڈرو لڑکی۔''

''خود تو تم خدا کے غضب سے بھی نہیں ڈرتی اور مجھے اپنے غضب سے ڈرا رہی ہو۔''

''میری مجبوری کا ناجائز فائدہ مت اٹھاؤ فریال میں اسپتال کے ماحول کی وجہ سے خاموش ہوں، ورنہ تمہارے منہ سے نکلنے والے ہر ہر لفظ پر تمہیں ایسی عبرت ناک سزا دیتی کہ تم آئندہ کبھی میرے سامنے اونچی آواز میں بولنے کی بھی جرات نہ کرتی۔''

''جس طرح تم اپنی بیٹی کی زندہ لاش دیکھ کر تڑپتی ہو، اسی طرح تمہارے خوب صورت جال میں پھنسنے والی معصوم لڑکیاں بھی زندہ لاش بن کر ہی رہ جاتی ہیں، جنہیں بیچ کر تم دولت سمیٹتی ہو، تم لاشوں کی سوداگر ہو، اسی لیے تمہاری بیٹی بھی ایک زندہ لاش کی طرح تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے لیکن دکھ تو اس بات کا ہے کہ تمہارے گناہوں کی سزا تمہاری بے گناہ بیٹی بھگت رہی ہے۔''

''اپنی زبان کو لگام دو فریال۔''

''میں نے تو سنا ہے تمہارا شوہر اور بیٹا جس ایکسیڈنٹ میں مارے گئے، کیا وہ بھی تمہاری سوچی سمجھی اسکیم تھی۔''

''یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو؟''

''یہ میں نہیں کہہ رہی، لوگ کہتے ہیں کیونکہ وہ تمہارے کالے کرتوتوں کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھے۔''

''انھی کے دم قدم سے تو میری زندگی میں بہار تھی، وہی تو تھے، جن کے ہونے سے میں خود کو مکمل سمجھتی تھی پھر بھلا میں اپنے ہی ہاتھوں بہار کی بجائے خزاں کو کیسے گلے لگا سکتی تھی۔'' بات کرتے ہوئے میڈم نازیہ کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے تھے اور وہ تیزی سے وہاں سے نکل گئی تھی۔

میڈم نازیہ کی آنکھوں میں آنسو اس کی باتوں کی صداقت کی تصدیق کر رہے تھے، لیکن فریال جان بوجھ کر اسے ٹارچر کرتے ہوئے تڑپانا چاہتی تھی۔

میڈم نازیہ کی کل کائنات اس کی بیٹی امبر تھی، اس کا شوہر اور بیٹا کار ایکسیڈنٹ میں مارے گئے تھے، جبکہ بیٹی ایک لاش بن کر رہ گئی تھی، وہ بھری دنیا میں بھی تنہا تھی، پھر بھی خود کو کامیاب انسان سمجھتی تھی، خدا نے اس کے اعمال کی سزا دنیا میں ہی دے ڈالی تھی، مگر اس کے باوجود اس نے معصوم لڑکیوں کو گناہوں کی دلدل میں دھکیلنے سے توبہ نہیں کی تھی۔

......☆☆☆......

اس کے باوجود کہ میڈم نازیہ ہی وہ عورت تھی، جس کی وجہ سے فریال کی زندگی میں اتنا بڑا بھونچال آیا تھا، مگر اس کے باوجود ایک انسان ہونے کے ناتے اسے امبر کے بارے میں جان کر دلی دکھ ہوا تھا اور وہ کسی بھی طرح زمین پر اتری ہوئی اس حور کو پھر سے اپنے پاؤں پر کھڑا ہوتے اور ہنستے کھیلتے دیکھنا چاہتی تھی، پھر رات بھر جاگتے اور سوچتے رہنے کے بعد اس نے اپنے طور پر امبر کے لیے کچھ کرنے کا پروگرام

ترتیب دے لیا تھا۔
وہ میڈم نازیہ کے اسپتال آنے سے کچھ دیر پہلے ہی اسپتال پہنچ گئی تھی اور چاہتی تھی کہ اس کے آنے تک وہ ڈاکٹر سے بات کر لے۔
''ڈاکٹر صاحب! میں امبر کے بارے میں آپ سے کچھ مشورہ کرنا چاہتی تھی۔'' موقعہ ملنے پر ڈاکٹر کو اپنے کمرے میں فارغ بیٹھے دیکھ کر فریال نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔
''جی بولیں۔'' ڈاکٹر نے فریال کی بات پوری توجہ سے سنتے ہوئے کہا۔
''ڈاکٹر صاحب میں اس بات پر حیران ہوں کہ اتنے عرصے سے یہاں امبر کا علاج ہو رہا ہے' لیکن وہ ٹھیک کیوں نہیں ہو رہی؟''
''جس حادثے کی وجہ سے امبر کی یہ حالت ہوئی' اس میں امبر کا زندہ بچ جانا بھی معجزہ ہے۔ ہم نے ہر ممکن کوشش کر کے دیکھ لی ہے' دوائیں' انجکشن' ڈرپس اور فزیوتھراپی' کیا کچھ نہیں کیا ہم نے' بہت سے ماہر اور تجربہ کار ڈاکٹروں کا بورڈ بھی امبر کے معاملے میں کئی بار آپس میں مشورہ کر چکا ہے' لیکن اس کی حالت جوں کی توں ہے میڈم نازیہ بھی بیٹی کے بارے میں بہت پریشان رہتی ہیں مگر وہ بھی ہماری طرح مایوس نہیں۔''
''اگر میں یہ کہوں کہ وہ ٹھیک ہو سکتی ہے......تو......آپ کیا کہیں گے؟'' فریال نے رک رک کر بات کی تھی۔
''وہ کیسے؟'' فریال کی بات سن کر ڈاکٹر نے اپنی کرسی پر سنبھل کر بیٹھتے ہوئے پوچھا تھا۔
''میں نے امبر کے معاملے میں بہت سنجیدگی سے غور کیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ کیوں نہ ہم اسے آب زم زم پلا کر دیکھیں۔ میرا دل کہتا ہے کہ اگر ہم اسے اس یقین کے ساتھ آب زم زم پلائیں کہ اس میں شفاء ہے' تو امبر کیوں ٹھیک نہیں ہو گی۔''
''میں آپ کے جذبے کی قدر کرتا ہوں......لیکن اس کا مہنگے سے مہنگا علاج ہو رہا ہے' پھر بھی کوئی فرق نہیں پڑ رہا۔''
''آپ اتنے عرصے سے جو علاج کر رہے ہیں' جب اس سے کوئی فرق نہیں پڑ رہا' تو ایک بار میرے کہنے پر آب زم زم سے بھی کوشش کر کے دیکھ لیں۔'' فریال نے انتہائی سنجیدگی سے بات کی تھی۔
''شاید اس کے لیے میڈم تیار نہ ہوں کیونکہ ہم نے ان سے جب بھی امبر کو علاج کے لیے امریکہ لے جانے کے بھی لیے کہا ہے' تو وہ راضی نہیں ہوئیں۔''
''یہ کام آپ مجھ پر چھوڑ دیں' میں کسی بھی طرح انہیں منالوں گی۔''
''ٹھیک ہے' میڈم مان جائیں تو ہمیں بتا دیجئے گا پھر دیکھیں گے اس سلسلے میں کیا ہو سکتا ہے۔''
ڈاکٹر کی بات سن کر فریال خاموشی سے کمرے سے باہر نکل آئی تھی اور ایک طرف بیٹھ کر بے چینی سے میڈم نازیہ کا انتظار کرنے لگی تھی' اسے نہیں معلوم تھا کہ میڈم نازیہ اس کی بات سننے کے لیے بھی تیار ہو گی یا نہیں اور اگر کسی طرح اس نے بات سن لی تو اس کی بات ماننے کے لیے تیار ہو گی یا نہیں۔
کچھ ہی دیر بعد اسے میڈم نازیہ آتی ہوئی دکھائی دی تھی' وہ آگے بڑھ کر اسے روک سکتی تھی' لیکن اس نے اسے بیٹی کے پاس جانے دیا تھا' روز کی طرح' بیٹھنے سے قبل اس نے پیار سے بیٹی کا ماتھا چوما تھا اور آنکھوں پر پیار کیا تھا' پھر اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بیٹھ گئی تھی' فریال دروازہ کھول کر کمرے میں جا سکتی تھی' لیکن ایسا کرنے سے اسے بات بگڑنے کا ڈر تھا' اس لیے اسے میڈم نازیہ کے باہر آنے تک انتظار کرنا تھا' تب تک وہ میڈم نازیہ سے بات کرنے کے لیے پوری طرح تیاری کر سکتی تھی۔
وہ امبر کے کمرے کے باہر ہی ایک طرف کرسی پر بیٹھ گئی تھی' میڈم نازیہ کسی کام کے سلسلے میں کمرے سے باہر آئی تھی' جیسے ہی وہ کمرے سے نکلی تو فریال لپک کر اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی۔
''اس گستاخی کا کیا مطلب ہے؟'' میڈم نے فریال کو اچانک اپنے سامنے راستہ روکے کھڑے دیکھ کر تلخی سے بات کی تھی۔
''میں امبر کے بارے میں بات کرنا چاہتی ہوں۔''
''تمہیں اس سے کیا لینا دینا؟''
''وہ ٹھیک ہو سکتی ہے۔''
فریال کی بات سن کر میڈم نازیہ کو ایک زبردست جھٹکا لگا تھا اور اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا' وہ کچھ دیر تک بے یقینی کی سی کیفیت

میں فریال کو دیکھتی رہی پھر سنبھلتے ہوئے بولی۔ ''کیا ایسا ممکن ہے؟''
''یقین کامل ہو تو کیا نہیں ہو سکتا۔''
''تم ایک بار اپنے منہ سے تو کہو...... بیٹی کی زندگی کے لیے تو میں اپنی زندگی بھی داؤ پر لگانے کے لیے تیار ہوں۔''
''اپنی بیٹی اتنی عزیز ہے اور دوسروں کی بیٹیوں کو نیلام کرتی پھرتی ہو۔''
''ایک بار میری بیٹی ٹھیک ہو جائے...... پھر میں وہ سب کچھ کروں گی جو تم چاہتی ہو۔''
''لیکن میں یہ کیسے مان لوں کہ جیسا تم کہہ رہی ہو ویسا کرو گی بھی کیونکہ جس منہ کو حرام لگ جائے' وہ آسانی سے چھوٹا نہیں کرتا۔''
''اپنی بیٹی کی زندگی کے لیے مجھے دنیا بھی چھوڑنی پڑ جائے تو میں بخوشی چھوڑ دوں گی' گناہ آلود زندگی سے توبہ کرنا تو کوئی بات ہی نہیں۔''
''ٹھیک ہے مگر اپنی بات کرنے سے پہلے میں قرآن پاک کے حوالے سے ایک واقعہ بیان کرنا چاہتی ہوں۔''
''سناؤ۔''

''جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام خانہ کعبہ کے قریب ہی' پیاس کی وجہ سے بلک رہے تھے'ان کی والدہ حضرت بی بی حاجرہ سے بیٹے کا تڑپنا دیکھا نہیں جا تا تھا' اس لیے وہ انہیں زمین پر لٹا کر پریشانی کے عالم میں پانی کی تلاش میں کبھی صفا کی طرف دوڑتی ہوئی جاتی تھیں اور کبھی صفا سے مروہ کی طرف' مگر دور دور تک کہیں پانی دکھائی نہیں دے رہا تھا' ادھر حضرت اسماعیل علیہ السلام پیاس کی وجہ سے روتے ہوئے زمین پر اپنی ایڑھیاں رگڑ رہے تھے' پھر خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کا کرشمہ دکھایا اور جہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام ایڑھیاں رگڑ رہے تھے' وہاں سے پانی کا چشمہ جاری ہو گیا' حضرت بی بی حاجرہ جب دوڑتی ہوئی وہاں آئیں تو یہ سب دیکھ کر حیران رہ گئیں' پانی پھیلتا ہی جا رہا تھا' انہوں نے ایسا ہوتے دیکھ کر فوراً فرمایا ''زم زم۔'' یعنی ٹھہر جا' رک جا' اور پانی وہیں ٹھہر گیا' اسی لیے اسے آب زم زم کہا جاتا ہے' ہزاروں سال گزر گئے' تب سے آب زم زم کا چشمہ اسی طرح جاری ہے' پوری دنیا سے حج وعمرہ کی غرض سے جانے والے کروڑوں مسلمان وہاں سے آتے ہوئے اپنے ساتھ آب زم زم لاتے ہیں اور لوگ محبت وعقیدت کے ساتھ آب زم زم پیتے ہیں۔ انتہائی ریسرچ کے بعد غیر مسلم سائنسدان بھی اس بات کا اعتراف کر چکے ہیں کہ آب زم زم کسی بھی صاف اور شفاف پانی سے کہیں زیادہ کرشمات کا حامل ہے۔''
''مگر تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟''
''میں چاہتی ہوں' جہاں تم نے اس کا ہر طرح سے علاج کر کے دیکھ لیا' وہیں اگر میرے کہنے پر اسے آب زم زم پلایا جائے تو مجھے پورا یقین ہے کہ امبر بھی ضرور شفایاب ہو گی۔''
''مگر اس کے منہ سے تو پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں گزر پاتا۔ آب زم زم وہ کس طرح پی پائے گی۔'' فریال کی بات سن کر میڈم نازیہ نے پریشان کن لہجے میں بات کی تھی۔
میڈم نازیہ کی بات سن کر فریال خاموش ہو گئی تھی' کیونکہ اس بارے میں تو اس کی معلومات بھی کچھ زیادہ نہیں تھیں' وہ ہمیشہ سے سنتی چلی آئی تھی کہ آب زم زم کسی معجزے سے کم نہیں اور اس میں شفاء ہے۔ یہی سوچ کر اس نے میڈم نازیہ سے بات کی تھی' اس سے آگے پیش آنے والے مسائل کے بارے میں تو اس نے بھی نہیں سوچا تھا۔
''لگتا ہے آپ نے میڈم کو راضی کر لیا ہے۔'' فریال اور میڈم کو ایک ساتھ کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر ڈاکٹر نے فریال کی طرف دیکھتے ہوئے بات کی۔
''جی' میڈم تو تیار ہیں مگر کچھ مشکلات ہیں ہیں' جن کا حل صرف آپ ہی بتا سکتے ہیں۔'' فریال نے ڈاکٹر کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بات کی تھی' جبکہ اس کے ساتھ والی کرسی پر میڈم نازیہ بیٹھ گئی تھی' مگر وہ ابھی تک خاموش تھی۔
''میڈم! اور باتوں سے پہلے میں آپ سے یہ پوچھنا چاہوں گا کہ جیسا مس فریال چاہ رہی ہیں' کیا آپ اس کے لیے تیار ہیں؟''
''ڈاکٹر صاحب مجھے تو اپنی بیٹی کی صحت چاہیے' وہ دواؤں سے ملے'' یا دعاؤں سے' اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔''
''آپ شاید کچھ پوچھنا چاہ رہی تھیں؟'' اس بار ڈاکٹر نے فریال سے سوال کیا تھا۔
''جی ڈاکٹر صاحب' میں نے آب زم زم کے بارے میں میڈم سے بات کی تھی مگر ان کا کہنا ہے کہ اس کے حلق سے تو پانی کا ایک قطرہ بھی

نہیں اترتا' ایسے میں وہ آبِ زم زم کیسے پی پائے گی۔''

''یہ تو کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں اگر وہ پی نہیں سکتی تو کیا ہوا انجکشن کے ذریعے امبر کی رگوں میں با آسانی آبِ زم زم شامل کیا جاسکتا ہے۔''

''اگر ایسا ممکن ہے تو پلیز مزید دیر نہ کریں۔'' فریال نے بے چین ہو کر بات کی تھی۔

''میں آپ کے جذبات کی قدر کرتا ہوں لیکن اس سلسلے میں مجھے اپنے کچھ سینئر ڈاکٹروں سے مشورہ کرنا ہوگا کیونکہ ہمارے لیے بھی یہ ایک نیا تجربہ ہوگا اور امبر جیسی مریضہ کے لیے اس طرح کا کوئی بھی فیصلہ کرنا میرے اکیلے کے بس کی بات نہیں۔''

''ٹھیک ہے آپ مشورہ کرلیں مگر پلیز کسی بھی طرح اس کا فیصلہ کل ہی کرلیں۔''

''آپ اطمینان رکھیں' میں کل شام تک آپ کو اس سلسلے میں آگاہ کردوں گا۔''

''تھینک یو ڈاکٹر۔'' فریال نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی' اسے اٹھتے دیکھ کر میڈم نازیہ نے بھی کرسی چھوڑ دی تھی۔

ڈاکٹر سے بات کرنے کے بعد وہ دونوں وہاں سے نکل کر امبر کے کمرے کے دروازے پر آ کھڑی ہوئی تھیں' ڈاکٹر کے پاس بیٹھے ہوئے بھی میڈم نازیہ نے کوئی زیادہ بات نہیں کی تھی اور کمرے سے باہر آنے کے بعد بھی اس کے ہونٹوں پر خاموشی تھی۔

''آپ پریشان نہ ہوں خدا نے چاہا تو امبر جلد ٹھیک ہوجائے گی' بس آپ اس کے لیے دعا کرتی رہا کریں۔'' امبر نے میڈم کو تسلی دیتے ہوئے کہا تھا۔

''اگر تم میری بیٹی سے ملنے کمرے میں آؤ تو مجھے خوشی ہوگی۔'' میڈم نازیہ نے افسردہ لہجے میں بات کرتے ہوئے کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا تھا۔

میڈم نازیہ کے دروازہ کھولنے پر فریال خاموشی سے کمرے میں داخل ہوگئی تھی' اس کے ساتھ ہی میڈم نازیہ بھی اندر آ گئی تھیں' اندر آتے ہی انہوں نے کمرے کا دروازہ بند کردیا تھا' کمرہ وہاں رکھے ہوئے گلدستوں کی خوشبو سے مہک رہا تھا' امبر حسن کا خوب صورت شاہکار بنی بیڈ پر خاموش لیٹی تھی' اس کے دودھیا ہاتھوں پر کنولا لگا ہوا تھا' اس کے لب خاموش تھے مگر فریال کو دیکھ کر اس کی آنکھوں سے کئی سوال اٹھ رہے تھے' قدرت نے اسے بنانے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی تھی' مگر کار حادثے نے اسے مجبور و لاچار کر ڈالا تھا' فریال نے پہلی بار امبر کو اس قدر قریب سے دیکھا تھا' اسے اس کی معصومیت دیکھ کر اس پر بہت پیار آرہا تھا' اس نے آگے بڑھ کر امبر کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر چوم لیے اور پیار سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا' ایسا کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے تھے' قریب تھا کہ وہ رو پڑتی' اس لیے وہ جلدی سے اس کے بیڈ سے ہٹ کر کرسی پر بیٹھ گئی تھی' میڈم نازیہ کی آنکھوں سے نکلنے والے آنسو فریال سے چھپ نہیں پائے تھے' مگر وہ فریال سے اپنے آنسو چھپانے کی غرض سے فوراً واش روم میں گھس گئی تھی' لیکن واش روم سے آنے والی اس کی سسکیاں فریال کے کانوں تک پہنچ رہی تھیں۔

فریال نے کمرے میں بیٹھے ہوئے محسوس کرلیا تھا کہ میڈم نازیہ واش روم میں کھڑی مسلسل آنسو بہا رہی ہے' مگر وہ اپنی جگہ سے نہیں اٹھی تھی' وہ دیر تک واش روم میں کھڑی آنسو بہاتی رہی پھر منہ ہاتھ دھو کر واش روم سے نکل کر کمرے میں فریال کے پاس ہی کرسی پر آ بیٹھی تھی' کمرے میں تین خواتین موجود تھیں مگر حیران کن بات یہ تھی کہ وہاں پھر بھی مکمل خاموشی تھی' فریال مسلسل محسوس کر رہی تھی کہ میڈم نازیہ اس سے کوئی بات کرنا چاہتی تھی مگر کہہ نہیں پا رہی تھی' وہ کچھ دیر تک خاموش بیٹھی رہی' پھر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''میں تم سے کچھ پوچھنا چاہ رہی تھی۔'' فریال کو دروازے کی طرف بڑھتے دیکھ کر میڈم نازیہ نے خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا تھا۔

میڈم نازیہ کی آواز سن کر فریال کے قدم رک گئے تھے اور وہ بولی۔ ''جی پوچھیں کیا پوچھنا ہے۔''

''کیا تم مجھے......وضو کرنا سکھا دوگی؟''

''وضو......؟'' میڈم کا سوال سن کر فریال کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا' اس لیے اس نے حیران ہو کر لفظ وضو پر زور دیتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

''ہاں' کیونکہ مجھے وضو کرنا نہیں آتا۔''

''سکھا تو میں دوں گی لیکن حیرانی اس بات پر ہو رہی ہے کہ ایک مسلمان ہو کر اب تک آپ کو وضو بھی نہیں کرنا آتا۔''

''مسلمان تو میں اس لیے ہوں کہ ایک مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئی' ورنہ مجھے نہیں یاد کہ میں نے زندگی میں کبھی بھولے سے ایک بار بھی

نماز پڑھی ہو۔''

''آئیں میں آپ کو وضو کرواتی ہوں۔'' میڈم کی بات سن کر فریال کو انتہائی عجیب لگا تھا' لیکن وہ کسی بحث میں الجھنے یا میڈم کو شرمندہ کرنے کی بجائے بات کرتے ہوئے میڈم کو ساتھ لیے واش روم کی طرف چل پڑی تھی۔

میڈم نازیہ وضو کر چکی تو وہ دونوں واش روم سے باہر نکل آئیں' کمرے میں آتے ہی میڈم نے الماری میں پڑا ہوا مصلی نکال لیا تھا' اسی دوران فریال خاموشی سے وہاں سے نکل آئی تھی' کھڑکی کے پاس سے گزرتے ہوئے فریال نے بے ارادہ کمرے کے اندر جھانک کر دیکھا تھا' میڈم نازیہ نے دوپٹے سے اپنے سر اور بالوں کو اچھی طرح ڈھانپ رکھا تھا اور وہ بیڈ کے پاس ہی جائے نماز پر خدا کے حضور سجدہ ریز تھی' فریال وہاں رکے بغیر آگے بڑھ جانا چاہتی تھی مگر کچھ دیر اور کمرے کے اندر کا منظر دیکھنے کی خواہش نے اسے روک رکھا تھا' میڈم نازیہ خدا کے سامنے سر جھکانے کی لذت سے ناآشنا تھی' مگر جب سر جھکایا تو اٹھانا بھول گئی تھی' سجدہ طویل ہوتا جا رہا تھا' فریال کا بلاوجہ وہاں کھڑے رہنا مناسب نہیں تھا' اس لیے وہ وہاں سے چل پڑی تھی۔

......☆☆☆......

فریال پچھلے کئی روز سے مسلسل لیٹ گھر پہنچ رہی تھی' اسے دیکھ کر دانش کی آنکھوں میں بہت سے سوال ہوتے تھے' لیکن کبھی ایک بار بھی اس نے فریال سے کوئی وضاحت طلب نہیں کی تھی' فریال کو اس بات کا پوری طرح احساس تھا' اسی لیے وہ چاہتی تھی کہ اس سے قبل کہ دانش کسی روز اس کے لیٹ آنے پر کوئی سوال اٹھائے' وہ خود ہی اسے اس سلسلے میں آگاہ کر دے۔

''میں جانتی ہوں' تمہیں میرا آفس سے لیٹ گھر آنا اچھا نہیں لگتا ہوگا۔'' فریال نے دانش کے پاس بیٹھ کر اپنی پوزیشن واضح کرنے کے لیے بات کا آغاز کیا تھا۔

''نہیں' ایسا تو کچھ بھی نہیں۔''

''میں یہ کیسے مان لوں جبکہ ایک بیوی ہوتے ہوئے مجھے تمہارے کبھی کبھار دیر سے گھر آنے پر بھی غصہ آتا تھا پھر بھلا تمہیں ایک شوہر ہوتے ہوئے اپنی بیوی کے روز روز لیٹ آنے پر غصہ کیوں نہیں آتا ہوگا۔''

''وہ تمہاری سوچ تھی اور یہ میرا ظرف ہے' مجھے تم پر ہمیشہ سے بھروسہ رہا ہے' مگر تم نے میری ہر حرکت کو شک کی نظروں سے دیکھا۔''

''ہاں' آج بھی مجھے اپنی ان باتوں کے بارے میں سوچ کر شرمندگی محسوس ہوتی ہے۔''

''تم شرمندہ کیوں ہوتی ہو جو وقت گزر گیا' اسے بھلا دینا ہی اچھا ہے ورنہ پچھتاوے کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔''

''میں تم سے یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ جب ہمیں پولیس اور حکومت کے بڑے بڑے عہدیداروں کی طرف سے مایوسی ہوئی تو میں اپنے طور پر میڈم نازیہ کی کھوج میں لگ گئی تھی' کیونکہ میرے جینے کا صرف ایک ہی مقصد رہ گیا تھا اور وہ تھا میڈم نازیہ کو بے نقاب کرنا کیونکہ میں نہیں چاہتی تھی کہ اب کسی اور کی بہن یا بیٹی' اس کے ہاتھوں میں کھلونا بنے پھر جانتے ہو کیا ہوا؟'' بات کرتے ہوئے فریال نے اپنی بات روک کر دانش کی طرف دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

''ہاں ہاں بولو' میں سن رہا ہوں۔''

''پھر ایک روز میڈم نازیہ کا پیچھا کرتے ہوئے میں ایک ایسے اسپتال جا پہنچی' جہاں اس کی جوان بیٹی اپنی ماں کے کیے کی سزا بھگت رہی تھی...... میڈم کی بیٹی امبر کی زندہ لاش کو دیکھ کر میں بھی تڑپ اٹھی تھی' اس کی یہ حالت ایک کار ایکسیڈنٹ کے بعد ہوئی تھی' ڈاکٹر اسے نارمل حالت میں لانے کے لیے ہر ممکن کوشش کر کے دیکھ چکے ہیں مگر اب تک اس زندہ لاش میں کوئی حرکت نہیں ہوئی' میں نے اسے اس یقین کے ساتھ آب زم زم پلانے کو کہا تھا کہ جب آب زم زم میں شفاء ہے تو امبر بھی ضرور ٹھیک ہو جائے گی...... میری بات سن کر میڈم نازیہ نے وعدہ کیا ہے کہ اگر اس کی بیٹی صحت یاب ہو کر پہلے کی طرح اپنے پاؤں پر چلنے لگی تو وہ نہ صرف خود کو بلکہ اس گناہ میں شریک ہر فرد کو قانون کے حوالے کر دے گی۔''

فریال نے آفس کے لیے نکلنے سے قبل آب زم زم کی وہ بوتل اپنے بیگ میں رکھ لی تھی' جسے اس نے ہمیشہ انتہائی احتیاط سے سنبھال کر رکھا تھا اور کبھی کبھی نہ صرف اپنے بچوں اور خاوند کو اس میں سے تھوڑا تھوڑا پلا دیا کرتی تھی' بلکہ خود بھی پی لیا کرتی تھی' وہ دن بھر آفس میں اپنے ٹیبل پر بیٹھی کام نمٹاتی رہی' لیکن اس کا ذہن بری طرح الجھا رہا۔

وہ وقت سے کچھ دیر پہلے ہی آفس سے شارٹ لیو لے کر اسپتال پہنچ گئی تھی، لیکن حیران کن بات یہ تھی کہ میڈم نازیہ پہلے سے وہاں موجود تھی اور ہاتھ میں تسبیح پکڑے امبر کے کمرے کے باہر بچھے ہوئے بنچ پر بیٹھی اس کے آنے کا انتظار کر رہی تھی۔

فریال کی خواہش پر آب زم زم کے ذریعے امبر کے مردہ جسم کو سیراب کیا جانے لگا تھا، اس نے جس یقین کے ساتھ ضد کر کے ڈاکٹر کو اس کام کے لیے راضی کیا تھا، اس سے میڈم نازیہ بھی پر امید تھی، ایک ایک کر کے دن گزرنے لگے تھے، فریال نے آب زم زم سے بھری دو بوتلیں اور لا دی تھیں، جیسے جیسے دن گزرتے جاتے تھے، امبر کی صحت کے لیے مانگی جانے والی دعاؤں میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا تھا، لیکن امبر کی حالت جوں کی توں تھی، جیسے جیسے ڈاکٹروں کی طرف سے دیے گئے دن ختم ہوتے جا رہے تھے، اسی قدر مایوسی بڑھتی جا رہی تھی۔

وہ آخری رات تھی، اگلی صبح اسے کوئی بھی خبر مل سکتی تھی، مگر وہ اب بھی پر امید تھی، امبر کے صحت یاب ہونے میں بہت سے لوگوں کا بھلا تھا، اس لیے وہ جائے نماز بچھا کر بیٹھ گئی تھی اور لبوں پر دعا تھی ''اے خدا میرا یہ ایمان ہے کہ تو ہی ہے جو بیماروں کو شفاء دیتا ہے، تیرے لیے ایک مریض کو صحت عطا کرنا کچھ مشکل نہیں، تو اس معصوم کو بھی بیماری سے نجات دے، تاکہ حق کی فتح ہو۔''

فریال جانتی تھی کہ آج میڈم نازیہ بیٹی کے پاس اسپتال میں ہی ہو گی، اس لیے اس نے آفس سے چھٹی کر لی تھی اور امبر کے بارے میں جاننے کے لیے اسپتال جا پہنچی تھی، اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ آہستہ سے امبر کے کمرے کا دروازہ کھولا تھا، میڈم نازیہ بیٹی کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے نظریں جھکائے بیٹھی تھی اور اس کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو اس کی جھولی میں گر رہے تھے، فریال کو دیکھ کر میڈم کے آنسوؤں میں تیزی آ گئی تھی، امبر ہمیشہ کی طرح بت بنی بیڈ پر لیٹی تھی، میڈم کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو دیکھ کر ہی وہ سب کچھ جان گئی تھی، اس لیے اس نے اس بارے میں میڈم سے کوئی سوال نہیں کیا تھا اور خاموشی سے وہاں سے نکل کر ڈاکٹر کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی۔

''کیا ہمیں کچھ دن کی اور مہلت نہیں مل سکتی؟'' فریال نے جاتے ہی بلا تمہید ڈاکٹر سے سوال کیا تھا۔

''سوری مس، میں اب اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتا۔'' ڈاکٹر نے کورے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا تھا۔

''مگر کیوں؟''

''اس لیے کہ دس دن تک اس کی رگوں میں آب زم زم شامل کرتے رہنے سے ذرہ بھر بھی فرق نہیں پڑا۔''

''فرق تو اب تک آپ کی دواؤں سے بھی نہیں پڑا مگر دوائیں پھر بھی جاری ہیں، وہ کیوں بند نہیں کر دیں۔''

ڈاکٹر کو فریال کے اس جارحانہ رویے کی امید نہیں تھی، اس لیے وہ حیران کن نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''ٹھیک ہے، میں آپ کو پانچ دن اور دے رہا ہوں، لیکن اس کے لیے ایک شرط ہو گی۔''

''مجھے آپ کی ہر شرط منظور ہے۔''

''شرط صرف اتنی سی ہے کہ آپ اس کے بعد کسی بھی حالت میں مجھے مزید وقت کے لیے ہرگز نہیں کہیں گی۔''

وہ جانتی تھی کہ منت سماجت سے مانگے ہوئے گنتی کے پانچ دن اس قدر تیزی سے گزر جائیں گے کہ ان کے گزرنے کا پتہ بھی نہیں چلے گا، میڈم نازیہ کا برائی کے راستے کو چھوڑنا امبر کے صحت یاب ہونے سے مشروط تھا، یہ بات وہ اچھی طرح جان چکی تھی کہ امبر کے صحت یاب نہ ہونے پر میڈم کو برائی کی راہ سے روکنا اس جیسی کمزور لڑکی کے بس کا کام نہیں تھا، اس لیے ہر دم اٹھتے بیٹھتے اس کے دل سے امبر کی صحت یابی کے لیے دعا نکلتی تھی۔

چھٹی کا دن تھا، اسے آفس اور عمر کی اسکول سے چھٹی تھی، اس لیے اس نے ناشتے سے فارغ ہو کر اپنے ساتھ دانش کے علاوہ علی اور عمر کو بھی بٹھا لیا تھا، فریال اور دانش نے قرآن پاک کی تلاوت کے بعد اپنے دونوں بچوں کے ننھے ننھے ہاتھ پکڑ کر انہیں خدا سے دعا مانگنے کو کہا تھا، فریال جیسے جیسے دعا مانگتی تھی، دونوں بھائی بھی وہی الفاظ دہراتے جاتے تھے۔

''یا اللہ امبر بہنا کو ٹھیک کر دے، یا اللہ امبر بہنا کو ٹھیک کر دے، یا اللہ امبر بہنا کے لیے آب زم زم کو شفاء کا ذریعہ بنا دے۔'' وہ چاروں دیر تک اسی طرح دعائیں کرتے رہے تھے۔

گو کہ مایوسی کے سائے بہت گہرے ہوتے جا رہے تھے، لیکن پھر بھی ایک آس تھی، جو اسپتال پہنچتے ہی امبر کو ہمیشہ کی طرح بت بنے لیٹے دیکھ کر ٹوٹ گئی تھی، امبر کو دیکھ کر فریال کے دل کو چوٹ لگی تھی، جس نے اسے رلا ڈالا تھا، اسے روتے دیکھ کر میڈم نازیہ اس کے پاس آ کھڑی ہوئی تھی۔

''یہ ٹھیک ہے کہ میری بیٹی آج بھی پہلے کی طرح بے جان پڑی ہے' مگر یہ حقیقت ہے کہ تم نے ایک کافر کو مسلمان بنا ڈالا ہے۔'' میڈم نے بھرائی ہوئی آواز میں بات کی تھی۔

روتے ہوئے' میڈم کی بات فریال کے کانوں میں پڑی تھی' اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا' کچھ پل کے لیے وہ بے یقینی کی کیفیت میں کھڑی میڈم کے چہرے پر نگاہ جمائے کھڑی رہی' پھر فوراً سنبھلتے ہوئے بولی۔ ''اس میں میرا کوئی کمال نہیں' یہ سب اوپر والے کے کام ہیں' وہ جب چاہے کسی کو نیکی کی ہدایت دے کر اس کا رخ کعبے کی طرف پھیر دے اور اس کا دل اپنے نور سے منور کر ڈالے لیکن میں اتنا ضرور کہوں گی...... جس قدر پیار آپ نے دنیاداری اور دولت سے کیا' اس سے آدھا پیار بھی میرے آقا ﷺ سے کیا ہوتا' تو شاید آپ کو یہ دن دیکھنا نہ پڑتے۔''

''میں نے تم سے اپنی بیٹی کی صحت یابی کی صورت میں برائی کی راہ چھوڑنے کا وعدہ کیا تھا۔ میری بیٹی تو صحت یاب نہیں ہوئی مگر میں پھر بھی اپنا وعدہ پورا کروں گی۔''

''آپ ایسا کر کے بہت سے لوگوں کی دعائیں لیں گی۔''

میڈم کی بات سن کر فریال پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی اور منہ سے کچھ بول نہیں پائی تھی۔

''تمہیں تو اپنی کامیابی پر خوش ہونا چاہیے مگر تم رو رہی ہو؟'' میڈم نازیہ نے فریال کو روتے دیکھ کر کہا تھا۔

''میری آنکھوں سے بہنے والے یہ آنسو خدا کے حضور شکرانے کے لیے بہہ رہے ہیں اور میرا دل چاہتا ہے' میں آج جی بھر کر رووٴں۔'' بات کرتے ہوئے فریال کے آنسووٴں میں تیزی آ گئی تھی اور وہ روتی ہوئی باہر کی طرف چل پڑی تھی۔

چلتے چلتے فریال کی نگاہ بیڈ کی طرف اٹھ گئی تھی اور اچانک اس کے باہر کی طرف بڑھتے ہوئے قدم رک گئے تھے' اس نے بیڈ پر پڑے بے جان بت میں حرکت محسوس کی تھی' اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

''آپ نے دیکھا؟'' امبر کے جسم میں حرکت ہوئی تھی۔'' فریال نے جذبات سے بے قابو ہو کر میڈم نازیہ کی توجہ امبر کی طرف کرواتے ہوئے کہا تھا۔

فریال کی بات سن کر میڈم ایک جھٹکے کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھ کر بیٹی کے پاس جا کھڑی ہوئی تھی' اس نے امبر کے پورے جسم کو بغور دیکھا تھا' مگر اسے اس میں کوئی بھی تبدیلی محسوس نہیں ہوئی تھی اور وہ پہلے کی طرح مجسم بت بنی لیٹی تھی۔

''تمہیں شاید کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔'' بیٹی کا مکمل جائزہ لینے کے بعد میڈم نے آہستہ سے کہا تھا۔

''ایسا نہیں ہو سکتا' میری آنکھیں دھوکہ نہیں کھا سکتیں۔''

''یہ تمہارا وہم بھی تو ہو سکتا ہے۔''

''آپ میرا یقین کیوں نہیں کر رہیں؟'' آج سے پہلے میں نے کبھی ایسا کیوں نہیں کہا۔ میں نے امبر کے جسم میں حرکت ہوتے ہوئے دیکھی ہے تو کہہ رہی ہوں ناں۔'' فریال نے قدرے چیختے ہوئے بات کی تھی۔

میڈم' فریال کی ضد کی وجہ سے خاموش ہو گئی تھی' پھر کچھ سوچ کر بولی۔ ''کیوں ناں ہم اس بارے میں ڈاکٹر سے بات کر کے دیکھ لیں؟''

''آپ امبر کے پاس بیٹھیں' ڈاکٹر سے میں خود بات کر کے آتی ہوں۔'' فریال بات کرتے ہی میڈم کا جواب سنے بغیر کمرے سے نکل گئی تھی' جبکہ میڈم وہیں خاموش کھڑی رہ گئی تھی۔

''مس فریال! آپ ہمیں کیوں الجھا رہی ہیں؟'' ابھی کچھ ہی دیر پہلے میں خود امبر کو دیکھ کر آیا ہوں' تب تک اس کی حالت جوں کی توں تھی' اس لیے میں آپ کی بات کا کیسے یقین کر لوں۔'' ڈاکٹر نے فریال کی پوری بات سننے کے بعد قدرے تلخی سے بات کی تھی۔

''آپ کا خیال ہے کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں؟''

اس سے پہلے کہ ڈاکٹر' فریال کی بات کا کوئی جواب دیتا' میڈم نازیہ قدرے تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

''وہ......وہ......وہ ڈاکٹر صاحب......وہ امبر۔'' پھولی ہوئی سانسوں کی وجہ سے میڈم نازیہ پوری طرح بات نہیں کر پا رہی تھی۔

''کیا ہوا اسے؟''

''میں نے اس کے جسم کو حرکت کرتے ہوئے دیکھا ہے۔''

ڈاکٹر اب تک فریال کی بات سننے کے لیے تیار نہیں تھا' لیکن جب وہی بات میڈم نازیہ نے بھی آ کر بتائی تو اس نے فوراً اپنی کرسی چھوڑ دی اور جلدی سے امبر کے کمرے کی طرف چل پڑا تھا' فریال اور میڈم نازیہ بھی ڈاکٹر کے ساتھ ساتھ ہو لی تھیں' وہاں بیٹھی نرس بھی ان کی باتیں سن کر ان کے پیچھے پیچھے چل پڑی تھی' وہ چاروں امبر کے بیڈ کے پاس کھڑے تھے' امبر کے ہونٹ ہل رہے تھے اور وہ کچھ کہہ رہی تھی' ان سب نے ایک عرصے بعد امبر کے لبوں کو ہلتے دیکھا تھا اور اس کے کہے ہوئے الفاظ کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے' امبر کچھ کہہ رہی تھی مگر اس کی آواز کسی کو سنائی نہیں دے رہی تھی' اس لیے وہ بے بسی سے باری باری ان چاروں کو دیکھ رہی تھی۔

''مجھے لگتا ہے یہ پانی مانگ رہی ہے۔'' فریال نے امبر کے ہونٹوں کی جنبش سے اندازہ لگاتے ہوئے کہا تھا۔

''لگ تو مجھے بھی ایسا ہی رہا ہے۔'' ڈاکٹر نے بھی فریال کی ہاں میں ہاں ملا دی تھی۔

''میں اپنی بیٹی کے لبوں کو آبِ زم زم سے ہی تر کروں گی اور اس کے حلق سے بھی سب سے پہلے آبِ زم زم ہی اترے گا' جو اس کے لیے شفاء کا ذریعہ بنا۔'' میڈم نے بھرائی ہوئی آواز میں بات کی تھی اور پھر ڈاکٹر سے اجازت کے لیے اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''ہاں' کوئی حرج نہیں' اگر وہ پی لے تو تھوڑا تھوڑا کر کے ایک دو چمچ پلا دیں۔''

ڈاکٹر کی اجازت پاتے ہی میڈم نازیہ الماری سے آبِ زم زم اور چمچ لے آئی تھی' اس دوران نرس نے سرہانے کی طرف سے بیڈ تھوڑا سا اونچا کر دیا تھا' میڈم نے خدا کا نام لیا اور چمچ میں آبِ زم زم ڈال کر امبر کے ہونٹوں کی طرف بڑھا دیا' آبِ زم زم سے بھرا چمچ دیکھ کر امبر نے اپنا منہ کھول دیا تھا' ایسا لگتا تھا' جیسے وہ برسوں کی پیاسی تھی' وہ ایک ہی گھونٹ میں آبِ زم زم سے بھرا چمچ پی گئی تھی' میڈم نازیہ کے لیے یہ بات کسی معجزے سے کم نہ تھی' اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑے تھے' اس نے روتے ہوئے تھوڑا تھوڑا کر کے آبِ زم زم کا ایک اور چمچ بیٹی کو پلا دیا تھا۔

فریال مسلسل روئے جا رہی تھی اور امبر کے ٹھیک ہونے پر اپنی ہر سانس کے ساتھ خدا کا شکر ادا کر رہی تھی' نرس کی آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے تھے' جبکہ ڈاکٹر کی آنکھیں بھی نم تھیں' مگر وہ حوصلہ کیے کھڑا تھا' میڈم آبِ زم زم پلانے سے فارغ ہو گئی تو ڈاکٹر امبر کے ہاتھوں اور پاؤں کا معائنہ کرنے لگا' پھر اس نے بازو اور ٹانگیں چیک کیں' ڈاکٹر نے اپنا ہاتھ امبر کے ہاتھ میں دیتے ہوئے اسے دبانے کو کہا تھا' جس پر اس نے ہلکا سا زور لگانے کی کوشش کی تھی' یہ دیکھ کر ڈاکٹر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

''مبارک ہو' امید ہے اگلے چند دنوں میں یہ اپنے پاؤں پر خود کھڑی ہو کر چلنے پھرنے لگے گی۔'' ڈاکٹر نے میڈم کی طرف دیکھتے ہوئے تسلی دی تھی۔

''انشاءاللہ۔'' میڈم نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا تھا۔

''میرے خیال میں تو ہمیں ایک دوسرے کا شکریہ ادا کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔'' فریال نے اداس لہجے میں بات کی تھی۔

ڈاکٹر اور نرس کمرے سے چلے گئے تھے' اب وہاں امبر کے پاس میڈم اور فریال رہ گئی تھیں' میڈم امبر کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گئی تھی' اس نے بیٹی کے ماتھے اور رخساروں پر پیار کیا' پھر اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر انہیں چوما' انہیں کبھی ہونٹوں سے لگایا کبھی آنکھوں سے' فریال اس دوران خاموشی سے وہاں سے نکل گئی تھی' میڈم بیٹی کو پیار کرنے میں اس قدر گم تھی کہ اسے فریال کے جانے کا بھی احساس نہیں ہوا تھا۔

......☆☆☆......

''تمہاری آنکھوں سے لگتا ہے' تم روتی رہی ہو مگر تمہارے چہرے کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ آج تم بہت خوش ہو۔'' دانش نے فریال کے گھر پہنچتے ہی اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''تم تو اچھے بھلے نجومی بن گئے ہو۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ واقعی میں آج بہت خوش ہوں اور اسی خوشی کی وجہ سے روئی بھی بہت ہوں۔''

''آج ایسی کون سی خوشی مل گئی کہ تمہاری آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے؟''

"جانتے ہو' آبِ زم زم نے وہ کام کر دکھایا' جو مہنگے سے مہنگے انجکشن نہیں کر پائے تھے۔"

"کیا امبر ٹھیک ہو گئی؟"

"ہاں' آج میں نے اپنی آنکھوں سے خدا کی قدرت کا کرشمہ دیکھ لیا' یہ ٹھیک ہے کہ ہم سب نے اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو کر گڑگڑا کر اسے اس کی خدائی اور کبریائی کا واسطہ دے کر امبر کی صحت یابی کے لیے بہت سی دعائیں بھی مانگی تھیں مگر ایک وقت ایسا بھی آیا تھا' جب مایوسی نے ہمیں اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔"

"یہ تو واقعی بہت بڑی بات ہے۔"

"اسی لیے تو میڈم نازیہ نے بھی معصوم لڑکیوں کی زندگی تباہ کرنے میں ملوث' خود سمیت' تمام افراد کی گرفتاری کا وعدہ پورا کرنے کی یقین دہانی کروائی ہے۔"

"لیکن اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ وہ اپنے وعدے پر قائم بھی رہے گی۔"

ایک پل کے لیے دانش کی بات نے فریال کو اداس کر ڈالا تھا اور وہ سوچنے لگی تھی کہ اگر میڈم' بیٹی کے صحت یاب ہونے پر اپنے وعدے سے پھر گئی' تو وہ کچھ بھی نہیں کر پائے گی' مگر اگلے ہی لمحے اس نے پورے یقین کے ساتھ کہا تھا۔ "ایسی باتیں لکھ کر تو نہیں دی جاتیں' یقین تو کرنا پڑتا ہے۔" فریال نے پر اعتماد لہجے میں بات کی تھی۔

ایک مدت بعد دانش نے فریال کو اچھے موڈ میں دیکھا تھا' اس لیے وہ کوئی ایسی بات نہیں کرنا چاہتا تھا' جس سے اسے ٹھیس پہنچتی اور وہ پھر سے مسکرانا بھول جاتی' اس لیے اس نے خاموش رہنا مناسب سمجھا تھا اور چپکے سے کچن میں گھس گیا تھا۔

☆☆☆

دن بدن امبر کی حالت بہتر سے بہتر ہونے لگی تھی' ہر نیا دن میڈم کی خوشیوں میں اضافہ کر جاتا تھا' مگر بیٹی کی صحت یابی کی صورت میں ملنے والی خوشی اسے خوش کرنے کی بجائے رلا ڈالتی تھی' وہ ہر گھڑی اداس رہنے لگی تھی' اس کی ویران آنکھیں ہر پل فریال کی منتظر رہتی تھیں' ہر آہٹ پر اسے فریال کے آنے کا گماں ہوتا تھا اور وہ دوڑ کر دروازے پر جا پہنچتی تھی' مگر وہاں فریال کو نہ پا کر اپنی جگہ واپس آ بیٹھتی تھی۔

حیران کن بات یہ تھی کہ اس کے چہرے سے میک اپ کا نقاب اتر کر جو چہرہ سامنے آیا تھا' وہ چہرہ اس چہرے سے کہیں زیادہ خوب صورت اور پر کشش تھا' جو میک اپ کے ساتھ دکھائی دیا کرتا تھا۔

"میری شدید خواہش تھی کہ آج تمہاری وہ محسن یہاں موجود ہوتی' جس کی کوششوں سے آج تم اپنے پاؤں پر کھڑی ہو۔" ڈاکٹروں کے وہاں سے جانے کے بعد میڈم نے اداس لہجے میں امبر سے بات کی تھی۔

"جب انہوں نے ہمارے لیے اتنا کچھ کیا' تو آج انہیں یہاں موجود ہونا چاہئے تھا۔" امبر نے ماں کی بات سن کر بات کی تھی۔

"چاہتی تو میں بھی یہی تھی' لیکن افسوس کہ ایسا ہو نہ سکا۔"

"لیکن کیوں ماما؟"

"کچھ باتوں کے جواب' ہمیں معلوم ہوتا ہے بیٹا' مگر پھر بھی ہم جواب دے نہیں پاتے۔"

امبر ماں کی بات کی گہرائی کو سمجھ نہیں پائی تھی' اس لیے خاموش ہو گئی تھی' کچھ دیر بعد میڈم نے کمرے سے اپنا سامان سمیٹا اور بیٹی کو ساتھ لیے بوجھل قدموں کے ساتھ وہاں سے نکل گئی تھی۔

ایک مدت بعد امبر اپنے پاؤں پر چلتے ہوئے گھر میں داخل ہوئی تھی' اس کے آنے سے گھر کے ویرانے میں رونق سی آ گئی تھی' مگر بیٹی کی صحت یابی پر ایک ماں کو جس قدر خوش ہونا چاہئے تھا' اس کی ہلکی سی جھلک بھی میڈم نازیہ کے چہرے سے دکھائی نہیں دے رہی تھی' مگر اس نے کمال ہوشیاری سے اپنی اس کیفیت کو بیٹی پر ظاہر نہیں ہونے دیا تھا' وہ آہستہ آہستہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا کر امبر کے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی' اسے اس کے بیڈ روم میں لے آئی تھی' امبر اپنے بیڈ روم میں پہنچنے تک بہت تھک گئی تھی' اس لیے میڈم نازیہ نے اسے بیڈ پر لٹا دیا تھا اور خود اس کے قریب ہی صوفے پر بیٹھ گئی تھی' امبر نے تھکاوٹ کی وجہ سے بیڈ پر لیٹتے ہی آنکھیں بند کر لی تھیں' اسے دیکھ کر کوئی بھی شخص یہ ماننے کو تیار نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ اتنی لمبی بیماری کے بعد اسپتال سے واپس آئی تھی' ایسا دکھائی دے رہا تھا' جیسے وہ ابھی ابھی دودھ میں نہا کر آئی ہو' اس کے لب و رخسار پر پھیلی ہوئی سرخی اس کی معصومیت کی گواہی دے رہی تھی۔

دیر تک میڈم نازیہ اپنی جگہ پر بیٹھی‘ اس کے چہرے پر ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہی‘ پھر اٹھ کر اس کا ماتھا چوما‘ اس کی آنکھوں‘ بالوں‘ رخسار اور ہاتھوں پر جی بھر کے پیار کیا‘ ایسا کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے تھے‘ قریب تھا کہ ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ جاتے اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی‘ وہ جلدی سے بیڈ روم سے باہر نکل آئی تھی۔

بیڈ روم سے نکلتے ہی اس نے گیٹ پر کھڑے گارڈ کو اپنے پاس بلا لیا تھا اور اسے اس بات کی سختی سے ہدایت کر دی تھی ’’اگر کوئی بھی میرے بارے میں پوچھے یا مجھ سے ملنے کے لیے آئے تو کہہ دینا کہ میڈم گھر پر نہیں۔‘‘ گارڈ کے بعد گھر کے دیگر ملازمین کو بھی بلا کر اس نے ضروری ہدایات جاری کر دی تھیں‘ ان کاموں سے فارغ ہو کر وہ اپنے بیڈ روم میں آ گئی تھی۔

اس نے صبح سے ہی اپنا موبائل آف کر رکھا تھا‘ پھر بھی اپنی تسلی کے لیے اس نے ہینڈ بیگ میں سے موبائل نکال کر اس بات کی تسلی کر لی تھی کہ اس کا موبائل آف ہی تھا۔

بیڈ پر بیٹھتے ہی اس نے اپنا موبائل آن کیا اور نمبر ڈائل کرنے لگی‘ اس کے بعد اس نے باری باری بہت سے لوگوں سے فون پر بات کی تھی‘ اپنے مطلوبہ نمبروں پر کال کرنے کے بعد اس نے ایک بار پھر اپنا موبائل آف کر دیا تھا‘ پھر اس نے وہیں بیٹھے ہاتھ بڑھا کر بیڈ کی سائڈ ٹیبل سے نیند کی گولیوں والی ڈبی اٹھا لی تھی‘ جو وہ بوقت ضرورت نیند نہ آنے پر کھا لیا کرتی تھی‘ مگر اس وقت اس نے بہت سی گولیاں ایک ساتھ نگل لی تھیں اور سرہانے پر سر رکھ کر لیٹ گئی تھی۔

......☆☆☆......

وہ ریموٹ ہاتھ میں لیے بے دلی سے ٹیلی وژن کے سامنے بیٹھی بار بار چینل تبدیل کر رہی تھی‘ اس کے برابر میں صوفے پر بیٹھا‘ دانش خاموشی سے اس کی حرکات دیکھ رہا تھا‘ ایک چینل پر بریکنگ نیوز فلیش ہوئی تھی‘ مگر فریال نے چینل تبدیل کرتے رہنے کا سلسلہ جاری رکھا تھا۔

’’ذرا پچھلا چینل لگا کر دیکھنا‘ کوئی بریکنگ نیوز آ رہی ہیں۔‘‘ دانش نے بار بار چینل گھماتے دیکھ کر فریال کو کہا تھا۔

دانش کی بات سن کر کسی احتجاج کے بغیر فریال نے بے دلی سے دانش کا مطلوبہ چینل لگا کر ریموٹ ایک طرف رکھ دیا تھا۔

’’خبروں کے مطابق‘ میڈم نازیہ کی نشاندہی پر جسم فروشی میں ملوث ایک بڑے گروہ کی گرفتاری عمل میں لائی گئی تھی‘ گرفتار ہونے والوں میں بہت سے قد آور سیاسی اور اعلیٰ حکومتی عہدیداران شامل تھے‘ میڈم نازیہ نے اپنی گرفتاری سے کچھ ہی لمحے قبل‘ اس خوف سے موت کو گلے لگا لیا تھا کہ وہ کس منہ سے اس بیٹی کا سامنا کر پائے گی‘ جس کی نظروں میں اس کی ماں انسانیت کی بھلائی کے لیے کام کرنے والی ایک بہت بڑی این جی او چلا رہی تھی‘ اگر ماں کا اصل چہرہ بیٹی کے سامنے آ جاتا‘ تو وہ کبھی اس سے نظریں نہ ملا پاتی۔‘‘ فریال نے گرفتار کیے جانے والوں کی لسٹ کو بغور پڑھا تھا‘ جہاں کئی نام پڑھ کر وہ چونکی تھی‘ وہیں اسے یہ دیکھ کر دلی سکون ہوا تھا کہ ان ناموں میں کاشف جنید کا نام بھی شامل تھا‘ جس نے اس کی زندگی کو تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

’’مبارک ہو۔‘‘ دانش نے ٹیلی وژن پر نشر ہونے والی خبر سن کر فریال کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

’’لیکن میں نے ایسا کبھی نہیں چاہا تھا‘ میں تو بس اسے اور اس کے ساتھیوں کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے قید دیکھنا چاہتی تھی‘ تاکہ وہ لوگوں کے لیے عبرت کا نشان بن جائیں مگر شاید اسے اسی طرح مرنا تھا۔‘‘

’’ایسے لوگ جتنی چاہیں قانون کی نظروں میں دھول جھونک دیں‘ اپنے کالے کرتوتوں پر پردہ ڈالنے کے لیے جس جس کو چاہیں اپنے ساتھ ملا لیں‘ مگر پھر بھی خدا کی گرفت سے نہیں بچ سکتے۔‘‘

’’میں نہیں جانتی کہ مجھے میڈم کی موت پر خوش ہونا چاہئے یا افسردہ‘ لیکن اتنا ضرور جانتی ہوں کہ آج میری جان سے پیاری دوست‘ زارا کی روح بہت خوش ہوئی ہوگی۔‘‘ فریال نے آنکھوں میں آنسو لیے‘ دکھ بھرے لہجے میں بات کی تھی اور وہاں سے اٹھ کر اپنے بیڈ پر جا لیٹی تھی۔

فریال نے زارا کے بعد اپنی تنخواہ میں اضافہ کیے جانے پر ہی جان لیا تھا کہ در پردہ اس کا باس بھی میڈم کے گھناؤنے جرائم میں شریک ہے اسی دن سے اسے باس اور آفس کے ماحول سے خوف آنے لگا تھا‘ اسی لیے وہ اپنا ہر قدم انتہائی سوچ سمجھ کر اٹھاتی تھی‘ لیکن کچھ مجبوریوں کی وجہ سے وہ اب تک آفس جاتی رہی تھی‘ مگر میڈم نازیہ کی خودکشی اور اس کے گناہوں میں شریک سبھی ساتھیوں کی گرفتاری کے بعد اس نے خود کو

گھر میں ہی قید کر لیا تھا' ویسے بھی اسے معلوم ہو چکا تھا کہ باس کی گرفتاری کے بعد آفس کو بھی تالے لگا دیے گئے تھے۔
دانش کی آنکھ کھلی تو فریال بیڈ پر موجود نہ تھی' عام طور پر وہ فریال اور بچوں سے پہلے اٹھ بیٹھتا تھا' اس وقت تک فریال بے سدھ سو رہی ہوتی تھی' مگر آج وہ خلاف معمول جلدی اٹھ گئی تھی' دانش کچھ دیر وہیں لیٹا اس کا انتظار کرتا رہا' پھر اٹھ کر واش روم میں گھس گیا تھا' اس کے واش روم سے واپسی تک بھی فریال وہاں نہیں آئی تھی' دانش کو ناشتہ تیار کرنا تھا' اس لیے وہ کمرے سے نکل کر کچن میں آ گیا تھا' وہاں فریال پہلے سے موجود تھی۔
''آج صبح صبح تم کچن میں کیا کر رہی ہو؟'' فریال کو کچن میں کھڑے دیکھ کر دانش نے دریافت کیا تھا۔
''بس آج ذرا جلدی آنکھ کھل گئی تھی' اس لیے کچن میں آ گئی۔''
''پچھلے دو تین دن سے تم آفس بھی نہیں جا رہی ہو۔''
''اب آفس میں رکھا ہی کیا ہے' آفس چلانے والا جیل جا پہنچا اور آفس کو تالے لگ گئے۔''
''مگر اس طرح کب تک چلے گا؟''
''وہ بھی دیکھ لیں گے لیکن آج تم کچن میں نہیں آؤ گے۔ آج میں اپنے ہاتھوں سے تمہاری پسند کے کھانے تیار کروں گی۔''
''اس مہربانی کی وجہ؟''
''فی الحال اس سلسلے میں کوئی سوال نہیں' کوئی جواب نہیں' تمہارے سب سوالوں کے جواب تمہیں مل جائیں گے' ابھی تم ٹی وی لاؤنج میں بیٹھو' میں ناشتہ لے کر آتی ہوں۔''
فریال کی بات سن کر دانش کا دماغ تیزی سے کام کرنے لگا تھا اور وہ کچھ سوچتے ہوئے فریال کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے فوراً بولا ''میں چاہتا ہوں۔ آج تمہارے گھر والوں کو بھی بلا لیا جائے۔''
دانش اپنی بات مکمل کرنے کے بعد فریال کے چہرے کا بغور جائزہ لینے لگا تھا' فریال کا چہرہ ایک دم بجھ سا گیا تھا' اس کی یہ کیفیت دانش سے چھپی نہیں رہ سکی تھی' مگر فریال نے فوری طور پر خود کو سنبھالتے ہوئے آہستہ سے کہا تھا ''انہیں پھر کبھی بلا لیں گے۔''
''پھر کبھی کیوں' میرے خیال میں آج بلانا زیادہ مناسب رہے گا۔''
''ٹھیک ہے' جو تمہاری خوشی۔''
فریال کی بات سن کر دانش خاموشی سے کچن سے نکل گیا تھا' جبکہ فریال ناشتے کے لیے پراٹھے بنانے میں لگ گئی تھی۔
دانش نے عمر کو بھی اٹھا دیا تھا' جب تک وہ اسکول جانے کے لیے تیار ہو کر ڈرائنگ روم میں پہنچا' فریال ناشتہ میز پر رکھ چکی تھی' اسی دوران علی بھی آنکھیں ملتا ہوا وہیں آ گیا تھا' اسے دیکھتے ہی فریال نے پیار سے اٹھا کر اپنی گود میں بٹھا لیا تھا' ایک مدت بعد ماں نے بیٹے کو اس قدر پیار سے اپنی گود میں بٹھایا تھا کہ وہ بھی اس سے چمٹ گیا تھا' ایک عرصے کے بعد وہ چاروں ایک ساتھ بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے' ناشتے سے فارغ ہوتے ہی عمر جلدی سے اپنا بیگ اٹھا کر اسکول کے لیے نکل گیا تھا' دانش اور علی ٹی وی لگا کر بیٹھ گئے تھے' جبکہ فریال برتن سمیٹنے لگی تھی۔
''اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو میں بازار سے لا دوں؟'' یہ جانتے ہوئے بھی کہ گھر میں ضرورت کی ہر چیز پہلے سے موجود تھی' دانش نے پوچھ لینا مناسب سمجھا تھا۔
''ضرورت ہو گی تو میں بتا دوں گی۔'' دانش کے سوال پر فریال نے مختصر جواب دیا تھا' اس کے بعد دوپہر تک وہ کچن میں گھسی رہی تھی' اس لیے ان دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی تھی' اس دوران فریال' علی کے لیے دودھ کا فیڈر بھی تیار کر کے دے گئی تھی' مگر ان میں کسی قسم کی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔
''السلام علیکم آنٹی! میں دانش بول رہا ہوں۔'' ساس کے فون اٹھانے پر دانش نے کہا تھا۔
''جیتے رہو بیٹا! گھر میں سب کیسے ہیں؟'' داماد کے سلام کرنے پر فریال کی ماں نے دریافت کیا تھا۔
''آنٹی بس آپ کی دعائیں چاہئیں۔''
''ہماری دعائیں تو تم لوگوں کے لیے ہی ہیں بیٹا۔''
''آنٹی! آج فریال نے انکل اور آپ کو دوپہر کے کھانے پر بلایا ہے۔''

''اچھا.....مگر کس خوشی میں؟''
''بس آنٹی! آپ لوگوں سے ملنے کا بہانہ ہے اور تو کچھ نہیں' ویسے بھی آپ کو ہمارے ہاں آئے کتنا ہی عرصہ ہو گیا ہے۔''
''تم فکر نہ کرو' ہم آجائیں گے۔''
''اچھا آنٹی! اللہ حافظ۔''
''خدا حافظ بیٹا۔''
فون بند ہو گیا تھا اور دانش ایک بار پھر علی کے پاس ٹی وی لاؤنج میں آبیٹھا تھا۔
صبح سے دوپہر ہو گئی تھی' فریال مسلسل کچن میں کھڑی کھانا تیار کرنے میں لگی ہوئی تھی' کچن سے اٹھنے والی کھانوں کی خوشبو' نہ صرف دانش کو پاگل کر رہی تھی' بلکہ اس کی بھوک بھی بڑھا رہی تھی' عمر بھی وقت پر اسکول سے واپس آ گیا تھا اور اسکول یونیفارم تبدیل کر کے ٹی وی لاؤنج میں ہی باپ اور بھائی کے پاس بیٹھ کر ٹی وی دیکھنے لگا تھا۔
فریال کے امی اور ابو بھی وقت پر ہی آ گئے تھے' فریال ان سے لپٹ کر بچوں کی طرح بلک پڑی تھی' دانش کے منہ سے اچانک انہیں بلانے کے بارے میں سن کر ہی فریال کے دل میں طرح طرح کے سوال جنم لینے لگے تھے' مگر اس نے دانش سے اس بارے میں کوئی وضاحت طلب نہیں کی تھی' اب انہیں سامنے پا کر اسے خود پر قابو نہیں رہا تھا اور وہ جان گئی تھی کہ دانش نے انہیں بلا وجہ وہاں نہیں بلایا تھا' کھانا تیار ہو چکا تھا' اس لیے فریال ان کے پاس ہی ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ گئی تھی۔
''آنٹی سنا ہے آج کل لڑکیاں اپنے خاوند سے طلاق بھی ایسے مانگنے لگی ہیں'.....جیسے وہ اس سے کسی تحفے کی فرمائش کر رہی ہوں۔'' دانش نے بلا تمہید بات کا آغاز کیا تھا اور کن اکھیوں سے فریال کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کا بھی جائزہ لینے لگا تھا' جس کے چہرے کی رنگت ایک دم زرد پڑ گئی تھی' ایسا دکھائی دینے لگا تھا' جیسے کسی نے اچانک اس کے بدن کا سارا خون نچوڑ لیا تھا۔
''بس بیٹا! خدا ہدایت دے ایسی لڑکیوں کو.....جو یہ نہیں سمجھتیں کہ طلاق لڑکی کے ماتھے پر لگا وہ داغ ہوتا ہے' جو زندگی بھر کسی بھی طرح مٹ نہیں پاتا۔'' داماد کے سوال پر ساس نے کہا تھا۔
''لیکن' مجھے انتہائی افسوس اور دکھ کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ آپ کی بیٹی بھی یہی تحفہ مجھ سے مانگ رہی ہے۔''
''یہ میں کیا سن رہا ہوں فریال؟'' دانش کی بات سن کر آنٹی تو کچھ کہہ نہیں پائی تھی' مگر انکل نے دل میں اٹھنے والے درد کی وجہ سے اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے فریال سے دریافت کیا تھا۔
''انکل پلیز' آپ پریشان نہ ہوں میں آپ کے سامنے ہر بات کھول کر رکھ دیتا ہوں اگر آپ مجھے قصوروار پائیں تو میں ہر سزا بھگتنے کے لیے تیار ہوں ورنہ آپ کی بیٹی آپ کے سامنے ہے۔'' فریال کو جس بات کا ڈر تھا' وہی ہوا تھا اور وہ آنسو بہانے لگی تھی' اس لیے دانش نے انتہائی محتاط انداز میں بات کی تھی اور پھر شروع سے آخر تک تمام تر تفصیل بیان کرنے لگا تھا۔

......☆☆☆......

کچھ ہی دیر بعد فریال نے میز پر کھانا لگا دیا تھا' فریال نے دانش کی پسند کی چکن بریانی' شامی کباب' رائتہ اور سلاد تیار کیا تھا' ساتھ بھنی ہوئی دال ماش اور روٹی بھی بنائی تھی' اپنی پسند کا کھانا دیکھ کر دانش کی بھوک مزید چمک اٹھی تھی۔
''ہو سکتا ہے آج ہم آخری بار اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھا رہے ہوں' شاید اب زندگی اتنی مہلت نہ دے کہ ہم پھر کبھی ایک ساتھ بیٹھ پائیں۔'' کھانا شروع کرنے سے قبل فریال نے بھرائی ہوئی آواز میں بات کی تھی۔
''یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟'' فریال کی بات سن کر' دانش کا کھانے کی طرف بڑھا ہوا ہاتھ رک گیا تھا اور اس نے حیران ہو کر فریال کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔
''یہ کام تو مجھے بہت پہلے کر لینا چاہئے تھا' لیکن میں ان لوگوں کا انجام دیکھنے کے لیے زندہ تھی' جو اپنی ہوس کی آگ بجھانے کے لیے دوسروں کی زندگیوں سے کھیل جاتے ہیں۔''
''مرنا اتنا بھی آسان نہیں' جتنا تم نے سمجھ رکھا ہے۔''
''مگر میرے لیے تو جینا' مرنے سے کہیں زیادہ دشوار ہو چکا ہے۔''

''یہ تم نے کیسے سوچ لیا کہ میں تمہیں کبھی ایسا کرنے دوں گا۔ ویسے بھی خودکشی کمزور لوگ کیا کرتے ہیں اور تم تو ایک بہادر لڑکی ہو۔''

''یہ تمہارا بڑا پن ہے کہ تم نے اتنا کچھ ہو جانے کے باوجود بھی اف تک نہیں کہا' جبکہ میں تمہارے ذرا سا لیٹ آنے پر ہی آسمان سر پر اٹھا لیتی تھی۔ تم چاہتے تو مجھے اپنی زندگی سے نکال باہر پھینکتے اور میرے بچوں کو بھی مجھ سے چھین لیتے' یہ کیا کم ہے کہ تم نے میری اتنی سنگین غلطیوں کے باوجود بھی اپنا کوئی حق استعمال نہیں کیا۔'' بات کرتے ہوئے فریال بلک پڑی تھی' ماں کو روتا دیکھ کر دونوں بچے بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر اس سے لپٹ گئے تھے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے تھے' پاس بیٹھے فریال کے والدین کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ رہے تھے۔

''تم کیا سمجھتی ہو' اگر خدانخواستہ تمہیں کچھ ہو گیا تو کیا ہم زندہ رہ پائیں گے۔ ہماری زندگی تم سے جڑی ہے اور تمہارے نہ ہونے کی صورت میں ہم تو جیتے جی مر جائیں گے...... تم میری بیوی ہی نہیں' میرے بچوں کی ماں بھی ہو' میں تمہاری خاطر دنیا تو چھوڑ سکتا ہوں مگر تمہیں اپنی زندگی سے نکلنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔''

''میں کیا کروں دانش' میں آتے جاتے اپنی طرف اٹھنے والی انگلیوں کا سامنا نہیں کر پاتی اور ہر انگلی کو کاٹ ڈالنا بھی میرے بس میں نہیں۔ یقیناً میری وجہ سے کسی کے سامنے سر اٹھا کر چلنا تو ایک طرف' تم کسی سے آنکھ بھی نہیں ملا پاتے ہو گے مرنا تو ایک دن ہے ہی' پھر روز روز مرنا اور مر کر جینا کیسا' بہتر ہے میں ایک بار ہی موت کو گلے لگا لوں۔''

''کبھی کبھی تو میں بھی لوگوں کی آنکھوں سے اٹھنے والے سوالوں کو دیکھ کر تڑپ اٹھتا ہوں' اس وقت جی چاہتا ہے کہ سامنے والے کا گلا گھونٹ ڈالوں یا پھر خود کو ختم کر لوں مگر میں ایسا کچھ بھی نہیں کر پاتا' یہ سچ ہے کہ کچھ عرصے سے میں جس کیفیت سے گزر رہا ہوں' کئی لمحے ایسے بھی آئے جب میں بھی کمزور پڑ گیا تھا اور تمہیں طلاق دینے کا سوچنے لگا تھا۔ شاید میری جگہ کوئی اور ہوتا تو کب کا طلاق دے بھی چکا ہوتا لیکن اوپر والے کا کرم ہے کہ اس نے مجھے جذبات میں بہنے سے روکے رکھا۔''

دانش کی باتیں سن کر فریال کے آنسوؤں میں تیزی آ گئی تھی' اس لیے وہ کچھ کہہ نہیں پائی تھی' علی اور عمر بھی مسلسل روئے جا رہے تھے۔

اپنے بیوی بچوں کو روتے دیکھ کر دانش کی آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے تھے' اس لیے کچھ دیر کے لیے وہ بھی خاموش رہا تھا' پھر ہمت کر کے بولا۔ ''میں نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم جتنی جلدی ممکن ہو سکا' یہ گھر چھوڑ کر یہاں سے دور کسی ایسی جگہ جا بسیں گے' جہاں ہم پر انگلی اٹھانے والا کوئی نہ ہو گا۔''

......☆☆☆......

کچھ روز بعد رات کی تاریکی میں سامان سے لدا ٹرک اس گھر سے دور ہوتا جا رہا تھا' جس گھر سے ان کی بہت سی یادیں جڑی ہوئی تھیں' جہاں انہوں نے زندگی کے بہت سے قیمتی پل ایک ساتھ بتائے تھے۔

تمت بالخیر

❐